

میر حسن

غلام حسن نام حسن تخلص۔ دہلی کے خاص باشندے تھے۔ ان کے جد امجد میر امامی اُس وقت وارد ہندوستان ہوئے۔ جب کہ شاہ جہاں صاحبِ قراں کا ستارہ اقبال آسمان پر چمک کر زوال کے قریب تھا۔ میر امامی ہمیں مستقل طور پر سکونت پذیر ہوئے۔ یہ شہر ہرات کے ساداتِ عظام کے خاندان سے تھے۔ ان کے بیٹے میر عزیز اللہ تھے جن کے صاحبزادے میر غلام حسین ضاحک فارسی کے ذی رتبہ شاعر ہی نہ تھے بلکہ بڑے ظریف المزاج زندہ دل بھی مشہور تھے۔ ان کی اپنے مشہور معاصر مرزا فیض سودا سے ہمیشہ ذک بھوک ہوتی رہی۔ ان کا کلام اگرچہ تلف ہو چکا۔ مگر ایک آدھ رباعی اور شعر تذکروں میں اب بھی باقی ہے۔ میر حسن اسی دریا خزار کے ایک گرامی گوہر تھے۔

میر حسن ^{۱۱۴۱ھ} ۱۱۴۱ھ کو بمقام سید داڑھ پرانی دلی میں پیدا ہوئے۔ اور یہیں کتب درسیہ فارسی کی اپنے والد میر غلام حسین ضاحک سے تعلیم پائی۔ اور کہا جاتا ہے کہ انھیں کے فیض صحبت سے شعر و شاعری کا ذوق بھی پیدا ہوا۔ اور یہیں خواجہ میر درد ^{۱۱۹۹ھ} ۱۱۹۹ھ کو اپنا کلام ابتدائی دکھانا شروع کیا چونکہ خاندان تیموریہ کی طاقت قریب قریب زائل ہو چکی تھی اور اب یہ خاندانی اقبال کا چراغ ٹٹٹا ٹٹٹا کر قضا و قدر کے ایک تند جھونکے کا انتظار کر رہا تھا۔ اسی لیے طوائف الملوکی خانہ جنگی ہانسی کا دور دورہ تھا سر زمین دہلی ان آفتوں اور مصیبتوں کی جیت

ہمیشہ مرکز رہی ہے اُسی طرح اس وقت بھی جولاں گاہ محشر بنی ہوئی تھی۔ اسی جہ سے شرفا کو نہ وہاں اطمینان حاصل تھا اور نہ وہاں کی بود و باش کو وہ پسند کرتے تھے۔ جس کو جہاں کہیں امن و عافیت کی جھلک دکھائی دیتی۔ سیدھا اُدھر ہی کا رخ کرتا۔ اور ہمیشہ کے لیے عمر بھر کی رفیق (دلی) کو الوداع کہہ کر سدھار جاتا۔ میر ضاحک کو بھی وقتی پریشانیوں نے فیض آباد جانے اور وہاں کے کار پر داز کار فراؤں کے فیض بید رنج سے نفع اٹھانے کے لیے مجبور کیا۔ میر حسن اپنے اختیارات نہ تھے۔ پھر بھی وطن مالوت کو چھوڑنا۔ خواجہ میر درد جیسے استاد کی خدمت سے منہ موڑنا بڑا ہی گراں گزرا۔ مگر کرتے تو کیا کرتے۔ سنگ آمد و سخت آمد۔ ایک رباعی سنا کر استاد سے اجازت طلب کی رباعی سوز و گداز اور دلی جذبات سے بھری ہوئی ہے اور اگر انہیں کی ہے تو نہایت عمدہ ہے۔

جاناں ز تو امید ننگا ہے داریم امید ننگا ہے ز تو گاہے داریم
ماشتہ چشم سرمہ سائیت ہستیم نے نالہ دے فغاں نہ آہے داریم
اُس کے بعد فیض آباد آگئے۔ اور یہاں ان کا ایسا جی لگا کہ عمر بھر یاد رہا۔ چنانچہ جب فیض آباد سے لکھنؤ میں آئے تو لکھنؤ اور فیض آباد کا تقابل کرتے ہوئے کچھ اشعار شنوی گلزارِ ارم میں لکھے ہیں۔ اور لکھنؤ کی فیض آباد کے مقابلہ پر بڑی جھوکی ہے۔

فیض آباد میں نواب سالار جنگ بہادر برادر بہو بیگم صاحبہ کی سرکار میں ملازم ہوئے بعد ازاں اُن کے بیٹے مرزا نواز ش علی خاں کی مصاحبت میں بھی رہے۔ ۱۷۵۵ء میں نواب آصف الدولہ نے

لکھنؤ کو اپنا دار السلطنت قرار دیا تو یہ بھی فیض آباد سے لکھنؤ چلے آئے اور یہیں کچھ دنوں کے قیام کے بعد ۱۲۰۱ھ میں انتقال کیا اور محلہ مفتی گنج مرزا قاسم علی خاں کے باغچہ کے عقبی حصہ میں مدفون ہوئے۔ مصحفی نے ان کی تاریخ وفات یوں کہی ہے۔

چوں حسن آں بلبل خوش دیتاں	روازیں گلزار رنگ و پو بتافت
بسکہ شیریں بود نطقش مصحفی	شاعر شیریں بیاں تاریخ یافت

میر حسن کی تاریخ وفات میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ مرزا علی لطیف نے ۱۲۰۹ھ اور نصیر حسین خیال مرحوم نے اپنے ایک مضمون میں جو میر حسن کے متعلق اولڈ بوئے حیدر آباد جلد ۲ نمبر ۸ میں چھپا تھا ۱۲۱۱ھ لکھا ہے مصحفی کی تاریخ پر نظر رکھتے ہوئے اور ان کے سنہ ولادت ۱۱۴۲ھ کو دیکھتے ہوئے یہ بالکل غلط ہے۔ اسی طرح ۱۲۰۵ھ بھی صحیح نہیں کیونکہ مصحفی سے میر حسن کے تعلقات تھے۔ اور مصحفی کو غلط سنہ تاریخ کی نظم کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اسی طرح ان کی شاگردی کے متعلق بھی کچھ شبہات ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ پہلے خواجہ میر درد کے شاگرد تھے بعد کو میر ضیاء الدین ضیاء سے اصلاح لی۔ مگر ان کا طرزِ بیان کو پسند ہی نہیں آیا۔ یا نچھ نہ سکا۔ بہر حال پھر مرزا رفیع سودا کو کبھی کلام دکھایا اور میر تقی میر کا بھی اتباع کیا۔ اتباع کا ثبوت ان کے تذکرے سے ملتا ہے فرماتے ہیں "اصلاح سخن از میر ضیاء سلمہ گرفتہ ام از میں کما حقہ سرانجام نیافت۔ بر قدم دیگر بزرگان مثل خواجہ میر درد و مرزا رفیع سودا و میر تقی میر پیروی نمودم۔"

میر حسن کی علمی لیاقت زیادہ تر فارسی کی تھی عربی سے ان کو چند اداں لگاؤ نہ تھا۔ مگر اردو کے زبردست شاعر اور زبان کے ماہر تھے۔ شعرو شاعری کا ذوق ازلی تھا۔ ہمیشہ کچھ نہ کچھ کہتے رہتے تھے۔ ان کا کلیات قلمی بعض جگہ موجود ہے۔ اور کچھ غزلیات کا حصہ شائع بھی ہو گیا ہے اُس کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شاعر کامل تھے۔ اور میر درد۔ میر تقی میر۔ مصحفی وغیرہ کے انداز میں ان کو مہارت کامل حاصل تھی۔ جس کا مختصر نمونہ آگے چل کر ہم درج کریں گے۔

وہ آزاد مزاج۔ ہشاش و بشاش رہنے والے مرتجان و مریخ لوگوں میں سے تھے۔ جلسوں میلوں اور دوستوں کی صحبت سے ان کو فرصت نہیں ہوتی تھی۔ پھر بھی ان کا ذوق سخن سنجی اور سلسلہ تصنیف و تالیف جاری تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج ان کی جو تصانیف ہم تک پہنچی ہیں وہ کچھ کم نہیں ہیں جن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

دیوان میر حسن۔ ذوق کے ساتھ کننا دشوار ہے کہ یہ دیوان میر حسن کی تمام و کمال غزلیات کا مجموعہ ہے۔ مگر یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس سے زیادہ کہیں انکی غزلیات کا مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ تذکروں میں چند اشعار ملتے ہیں اُس سے ذوق تشنہ ہی رہتا ہے۔ بہر حال یہ دیواں ۱۲۴۷ء صفحہ پر ہے جو نہایت عمدہ کاغذ پر نہایت صحت کے ساتھ مطبع ہذا میں طبع ہوا ہے۔

میر حسن کا انداز غزل گوئی متقدمین درد و میر سے زیادہ ملتا ہے وہی سوز و گداز۔ وہی آشفگی اور ولہیت وہی بر خستگی اور جاذبیت

جو قدرت نے اُن دونوں کو ودیعت کی تھی وہ میر حسن کو بھی دی گئی ہو۔
اور نہ جاننے والا میر۔ اور درد کے کلام سے اُن کے کلام کو علیحدہ نہیں
کر سکتا۔ یہ کہنا زیادتی ہوگی کہ ان کے کلام میں ہر شعر تیر و نشتر ہے
مگر اکثر کلام پر یہی حکم لگایا جاسکتا ہے۔ نمونہ کے لیے یہ چند شعر ملاحظہ کیجیے۔

جس عالم ہستی کو سمجھتے تھے بہار آہ	آخر کو جو دیکھا تو وہ موسم تھا خزاں کا
اُٹھتے ہی دل جگر میں اک لگ سی لگادی	خانہ خراب ہوئے اس نالہ و فغاں کا
سامان لے چلا ہے اندوہ کا یہیں سے	کیا جانے ارادہ دل نے کیا کہاں کا
بیر احسن یہ رونا بونہی اگر رہے گا	ظالم تو بھر کسی کا کاہے کو گھر رہے گا
جس جا پہ تم نے باتیں کیں تھیں کھڑے ہوا دن	جب بیکھنا وہ جاگے بے اختیار رونا

اس عشق میں جو قدم دھرے گا	جیتا نہ بچے گا وہ مرے گا
لکھنے کی یہاں تائب پڑھنے کا وہاں مرغ	کدیں گے کچھ زبانی اگر نامہ برجیلا
روتے ہی گزرتی ہے شب و روز حق کو	اور اس سے تو کیا حال تیر ہو ویک یا رب
رشتکس مرغ چمن پر ہے کہ جو گل کے حقو	داستان کہتے گیا جی سے گزرا آخر شب
تو نہ کوٹھ درو دل پہ میرے صنم	جی رہوں گا جو ہوگی میری حیات
شاہ ہو دے غلام کا پسند	کون پوچھے ہے عاشقی میں ذات
کسوقت میں بسا تھا اتنی یہ لک ل	صدرے ہی پڑتے رہتے ہیں ناتواں یاد پر
دہن صحرائے اُٹھنے کو حسن کا جی نہیں	پاؤں دیوانے نے پھیلائے بیایاں کھیل

وہ نہ آیا ادھر حسن افسوس	رہ گیا انتظار ہی آخر
دل سمجھ کر جو گیا اُس بُت خرو تنک	دیکھنے میں بھی گیا اُسکے تئیں ورتنک
غافل سمجھ کے سچو جام شراب عشق	آخر کو کام پہنچے ہے اسکا خمار تنک

کیا کہیں اپنا ہم نشیب و فراز
 نہ کسی کو کہیں نہ اپنی سنیں
 بس وہی اک نالہ شکر چپ ہا سوچے ہا
 اب تو غبارِ دل سے کہیں صاف کر کہ بس
 جو کچھ سہیں خیال میں کھیں ہوں میں
 نے دودھوں مچھر کا نہ میں آہ کا شعلہ
 ترپے تو تھا ابھی یہ کیوں رہ گیا تڑپ کر
 فریبِ عہد بس دیکھو کسی اور ہی کو اجاگر
 رو برو ہو نہ ایک تیغِ قراق
 سکتا تھا میں کہ ہر دم انہی گلی میں مت جا
 ہم نہ تنہا اُس گلی سے جاں کو کھو کر اٹھ گئے
 دیکھنے پائے نہ ہم اشکوں کا اپنے کچھ شمر
 ہے کہ کیسی یہ غم کی اپنے دل میں لے جن
 بس کہیں تھک بھی آئیائے فلک
 تو ہی جب اپنے در سے دیوے اٹھا
 یہاں تو سنتا ہی نہیں بات کسی کی کوئی
 بے اختیار اٹھتی ہے بنیاد بے خودی

آسمان گاہ گہ زمیں ہیں ہم
 نقش دیوار بوستاں ہیں ہم
 اب بھی سنتے ہو مے دلی کہیں فریاد تم
 باقی نہیں غبار بھی اس خاکسار میں
 دکھی نہ ہو گی سیرسی نے یہ خواب میں
 میں نالہ شکر گیر ہوں اور آہ سحر ہوں
 کیا ہو گیا الہی اس بقیرار دل کو
 میاں ہم خوب سمجھ میں تھائے ہو چکے ہیں
 اور خجس ہو یا کٹاری ہو

اس بات کا اب خرچ چاہتے ہو انہ
 سیکڑوں نانِ زندگی سے ہاتھ دھو کر اٹھ گئے
 تخم کو یا یاس کے یہ تھے جو بو کر اٹھ گئے
 ہم نے جوں جوں سکھو کھولا اور یہ حکم ہوئی
 ہو چکے سرمہ ہم تو اب بس کے
 پھر کہ دھر جا کے کوئی سرسپکے
 دل مرا مثل جس کبتیں فریاد کرے
 آتی ہے جب نظر تری دیوار اور درے

غرض کہ میر حسن کا حام رنگا یہی ہے کہ وہ درد و اشرسوز و گداز کو کبھی حالت
 میں نظر انداز نہیں کرتے اور رانسا ط کے مقابلے پر ہمیشہ اسکو ترجیح دیتے ہیں۔
 حقیقتاً میر و دکن کے زمانے میں ہی رنگ مقبول بھی تھا ہی پر اہل محفل سر دھنستے تھے

مذکرہ شعرائے اردو میر حسن اس میں متقدمین شعرا سے لیکر اپنے زمانہ تک کے مشہور و غیر معروف شعرا کا تین طبقے کر کے ذکر کیا ہے قریب قریب تین شعراء کا اس میں ذکر ہے کہیں کہیں بہت الکی سی تنقید بھی ہے۔ مگر زیادہ تر اپنے تمام معاصرین کو نہایت فراخ دلی سے داد سخن دی ہے اور بہت خیر و خوبی سے یاد کر کے بھوڑا بھوڑا انتخاب کلام بھی دے دیا ہے اگرچہ سنہ تصنیف کا کہیں تذکرہ میں ذکر نہیں تاہم محققین کا خیال ہے کہ یہ سنہ ۱۱۹۲ھ کی تصنیف ہے تاریخ ادب اردو میں ۱۱۹۲ھ اور مقدمہ تذکرہ میں ۱۱۸۸ھ ۱۱۹۲ھ لکھا ہے۔ یہ تذکرہ بھی شائع ہو چکا ہے تذکرے کے علاوہ اصناف سخن میں میر حسن کو جس صفت کا تاجدار اور واحد کار فرما مانا جاتا ہے وہ صفت شثنوی ہے۔ ان کی تصنیف میں سے چھوٹی بڑی کئی مثنویاں ہیں جن میں سب سے زیادہ مقبول یہی مثنوی سحر البیان ہے۔

یہ مثنوی میر حسن کی آخری تصنیف ہے جو سنہ ۱۱۹۹ھ میں تمام ہوئی۔ اس میں اُنھوں نے اپنی قدرت نظم زبان دانی۔ قوت فکر۔ طرز کلام۔ نادر استعاروں اور تشبیہوں سلاست بیان وغیرہ کا وہ کمال دکھایا ہے کہ آسانی کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کتنے دنوں تک وہ اس کے نظم کرنے کی فکر میں مہمک رہے ہوں گے۔ وہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ جوانی کی تصنیف ہے۔ مگر جوانی کے پیری سے بدل جانے کا واقعہ بھی اُسی کے ساتھ ساتھ بتا دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلسل جانفشانی کا نتیجہ ہے بہر طور اس کے متعلق اُن کا بیان غنی ہے۔

ذرا مضبوطی کی ہے یہ جا | کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا

تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف
تب ایسے ہوئے ہیں سخن بے نظیر
مسلل ہے موتی کی گویا لڑی
نہیں فتویٰ ہے یہ سحر البیاں
کہ ہے یادگار جہاں یہ کلام
جب اس طرح رنگیں مضمون کیا
صلہ اس کا کم ہے جو کچھ دیکھے
حسن آفریں مر جہاں مر جہاں
نہ ایسی ہوئی ہے نہ ہوگی کبھی

ز بس عمر کی اس کہانی میں صرف
جوانی میں جب ہو گیا ہوں میں پیر
نہیں فتویٰ ہے یہ اک پھل پھڑی
نئی طرز ہے اور نئی ہے دباں
رہے گا جہاں میں مرا اس سے نام
ہر اک بات پر دل کو میں خوں کیا
اگر واقعی غور ٹک کیجیے
غرض جس نے اس کو سنا یہ کہا
جو منصف سنیں گے کہیں گے یہی

اس پر آمد کا یہ حال ہے کہ کہیں یہی نہیں معلوم ہوتا کہ انھوں نے غور و فکر
کے لیے گردن چھکائی ہوگی یا دم بھر کے لیے کہیں اُن کے قلم نے دم بیا
ہوگا۔ معلومات عامہ کا یہ رنگ ہے کہ نجومیوں اور رمالوں پر مہموں کا
ذکر کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے ساری عمر جو قش
اور رمل کے فن کے حاصل کرنے میں صرف کر دی تھی۔ بزم عشرت کا
سماں دکھاتے ہیں تو وہ موسیقی کے ایک ماہر کامل سے کم نظر نہیں آتے
اور ایسی ایسی اصطلاحات رواروی میں کہہ جاتے ہیں کہ آج تو کم از کم
کوئی اُن کے معنی سمجھنے والا بھی نہیں ملتا۔ محل خانہ شاہی کا سماں۔
کنیزوں کے نام۔ اُن کے دھپ مشغلے بتاتے پر آتے ہیں تو وہ خود
بھی محل کے ایک رازدار اتالیق سے کم نہیں رہتے غم و الم کی کیفیات
حادثات کا بیان۔ پرستان کی جاو و گری۔ نجم النساء کے جو گن بننے کا لباس

یہ سب چیزیں اس طرح بیان ہوئی ہیں کہ جیسے انھوں نے برسوں خود
 بھی یہ ہر وہ پھرے اور سوانگ دکھائے ہیں۔ تشبیہات اس قدر چھوٹی
 اور نادر ہوتی ہیں کہ تخیل کے ساتھ مل کر وہ دوش ہوا پر پوسے گل معلوم
 ہوتی ہیں۔ پھر ایک دو جگہ نہیں بلکہ مسلسل۔ سچ تو یہ ہے کہ داد دینے والا
 حیران رہ جاتا ہے کہ کس کس کی داد دے اور کیا کیا کہا کرے۔
 محاکات کا کمال میر حسن سے زیادہ کسی ثنوی نگار کے یہاں نظر نہیں
 آتا۔ یہی وجہ تھی کہ خود اس زمانے میں بھی سب ثنوی لکھنے والے
 اس کے متبع کو اپنا فخر سمجھتے تھے جی چاہتا ہے کہ اس پر ایک تفصیلی
 بیان دیتے ہوئے تنقید کی جائے۔ مگر چونکہ یہاں اس کی ضرورت نہیں
 اس لیے صرف ضروری باتوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

۱۱) یہ ثنوی ہندوستان کے مختلف مطالب میں چھپتی رہی۔ مگر انہوں
 کہ اس کی صحت کا لحاظ بہت کم رہا۔ اس مرتبہ ہم نے کئی قلمی و مطبوعہ
 قدیم نسخے جمع کر کے مقابلہ کیا۔ اور سیکڑوں اخلاط نکال کر اس کلام کو
 جو مصنف کے کلام سے بہت دور ہو گیا تھا پھر مصنف کا کلام بنادیا۔
 ۱۲) اس ثنوی میں سیکڑوں الفاظ اور اصطلاحات ایسے ہیں
 جن کے معنی لغات متداولہ میں نہیں ملتے۔ نہایت کوشش سے
 ان کے معانی کی تحقیقات کر کے فٹ نوٹوں میں ان کو درج کر دیا۔
 ۱۳) اس ثنوی پر جو دیباچہ ان کے معاصر میر شیر علی افوس نے
 لکھا تھا اور وہ فورٹ ولیم کالج میں شائع ہو چکا تھا۔ اس کو نہایت
 تلاش و کوشش سے بہم پہنچا کر اس میں شامل کر دیا۔

(۴) اسی طرح مصنف کی اصلی شبیہ بھی ایک قدیم اور قلمی نسخے سے حاصل کی اور اس کو اول کتاب میں شامل کیا اُمید ہے کہ اب یہ کتاب ناظرین کے لیے اور بھی جاذب نظر و توجہ ثابت ہوگی۔

ان کی دوسری مشہور مثنوی جو مشافی میں اس مثنوی کا جواب نہیں تو جواب کے قریب ہے۔ مثنوی گلزارِ ارام ہے۔ اور جو اگرچہ پہلے دو ایک مرتبہ طبع ہوئی۔ مگر پھر کیا اب ہو گئی۔ اور اب شدید تلاش کے بغیر نہیں ملتی۔ میرے کتب خانہ میں اس کے دو نسخے ہیں۔ ایک نسخہ چڑانا چھپا ہوا ہے۔ اور دوسرا نسخہ وہ ہے جو مخزنِ پریس لاہور سے شائع ہوا ہے مثنوی سحرالبیان کے ساتھ شائع ہوا تھا چونکہ یہ مثنوی نایاب ہو گئی ہے اس لیے اس مرتبہ اس کو بھی اس مثنوی کے ساتھ شامل کیا گیا۔ اگرچہ مثنوی کا اصلی رنگ تو اُس کے دیکھنے ہی سے معلوم ہوگا۔ مگر ہم یہاں اس کے متعلق بعض ضروری باتوں کا اظہار کرتے ہیں۔

مثنوی گلزارِ ارام۔ یہ مصنف کے دور زندگی کی ایک اہم اور دلچسپ تاریخ ہے۔ پالیوں کیسے کہ تسلسل واقعات کی زنجیر کی ایک کڑی ہے۔ اس میں انھوں نے اپنے اُس سفر کا حال لکھا جو دہلی سے لکھنؤ تک پہنچنے کے لیے کیا تھا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ اپنے چند عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ اپنے وطن قدیم دہلی سے چلے کچھ دنوں تک ڈیگ (دھرت پور) میں قیام کیا اور پھر یہاں سے شاہ دار کی پھڑیوں میں کن پور تشریف لے گئے۔ وہاں اُس دمانے میں بہت بڑا میلہ ہوتا تھا۔ یہ میلے میں شریک ہوئے اس لیے وہاں کی رنگ لیں

اور میلے کی خوبیوں کا نہایت بیباک شکی سے ذکر کیا ہے۔ جمنٹا میلے کی شوقین شریک ہونے والی عورتوں کے لباس اور وضع قطع۔ حسن۔ لطافت۔ تازہ و انداز بھی کا ذکر آیا ہے۔ اور ان کو ایسی خوبی کے ساتھ لکھا ہے کہ بلا شک کہا جاسکتا ہے کہ یہ شتوی سحر البیان سے دوسرے درجہ پر رکھے جانے کے قابل ہے۔ آخر میں لکھنؤ اور فیض آباد کا ذکر آگیا ہے اور اس میں انھوں نے جہاں فیض آباد کی والہانہ انداز میں تعریف کی ہے وہیں اُس کے مقابلے پر لکھنؤ کی خدمت میں ایک معاذنہ رنگ پیدا کر دیا ہے۔ یہ شتوی سنہ ۱۱۹۲ھ کی تصنیف ہے۔ اس کا نام گلزارِ ارم، اس کا سنہ تصنیف معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ گلزار میں (ذ) کی بجائے (ڈ) کا ہونا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ گلزارِ ارم مصنف کی وفات سے تقریباً نو برس پہلے کی تصنیف ہے اور ان کی عمر وفات کے وقت پچاس برس پہلے کی بتائی جاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ چالیس لکنا لیس برس کے ہوں گے جب انھوں نے اس شتوی پر قلم اٹھایا۔ اس میں ان کی رنگینی مزاج اور حسن پرستی کے صاف صاف اشارے موجود ہیں اور بعض معاصرین کے حال پر بھی اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔ اس کے بعد شتوی رموز العارفین ہے۔ اگرچہ وہ نقشِ اول ہونے کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ انھوں نے شاید جوانی میں لکھی جس کا انھوں نے تذکرہ میں ذکر کیا ہے اور ذکر بھی یہ کہ کہ کہ یہ ان کی زندگی ہی میں مشہور و مقبول ہو چکی تھی۔ یہ شتوی بھی اگرچہ ایک دو مرتبہ چھپ چکی ہے مگر کیا اب بلکہ نایاب ہے میں نے مولانا سید مسعود حسن صاحبِ شتوی دیب پکار لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانہ سے

نسخے کر اُس کو خود نقل کیا۔ اور اس مرتبہ اس میں شامل کر دیا۔ اب اس کے متعلق اثنایان کافی ہو گا کہ گو میر حسن نے اس کے مقبولیت کے متعلق ایک اہم بیان دیا ہے اور وہ صحیح بھی ہو سکتا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ یہ چیز نہ اُن کے رنگ کی ہے اور نہ وہ اُن کی دوسری شئیوں کے مقابلے میں پیش کی جاسکتی ہے۔

مثنوی رموز العارفین۔ اس میں حضرت ابراہیم ادہم بادشاہ بلخ کے سلطنت کو چھوڑ کر وریشی اختیار کرنے کا حال ایک مؤثر انداز میں لکھا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ اور بزرگوں کی حکایات کو بھی برسیل تمثیل پیش کیا ہے۔ اور اس حدت کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ دس بارہ مصرعوں کے بعد کسی مشہور و مقبول زمانہ صوفی شاعر کے وہ اشارے لائے گئے ہیں جو معرفت اور اخلاق و فصاحت سے کوئی گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے دو ابتدائی شعر یہ ہیں:۔

ہے سزاوارثنا وہ کردگار	جس نے کی وحدت سے کثرت افکار
ایک دانے سے عیاں خرمن کیا	ایک شعلے سے جہاں روشن کیا

یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاعرانہ موثر گائیوں کو اس میں زیادہ دخل نہیں دیا ہے مگر چونکہ یہ سراسر تصوف اور حال و قال کے انداز میں لکھی گئی ہے اور اس پر حدت پسندی کو ملحوظ رکھا ہے اسی لیے اہل دل کے قلب پر ایک خاص اثر ہوتا ہے اور ایک اہم چیزانی جاتی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ یہ مثنوی اُن کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ میر حسن باوجود اس قدر وارستہ مزاجی کے زندہ دل صوفی بھی رہے اور

اُن کے دل میں ایک خاص گداز تھا۔ جن بزرگوں کا کلام اس میں کہیں کہیں لایا گیا ہے وہ سنی مذہب کے بزرگ تھے مگر میر حسن نے اس کی پڑا نہیں کی اور بہت ہی بے تعصبی سے اُن کے کلام کو دلیل ساطع بنا کر پیش کیا۔ بہر صورت یہ مثنوی اُن کی زندگی میں کافی شہرت اور قبول عام حاصل کر چکی تھی۔

مثنوی خوان نعمت۔ یہ مثنوی نایاب ہے۔ جس کا ایک بہت قیم نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ کسی دوست کو بطریق خط کے لکھی گئی ہے۔ جس میں خوان اصفیٰ کے بیان کے ذکر میں قریب قریب تمام لذیذ کھانوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ندرت کلام کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

یقینہ مثنویاں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں جنکے نام تو نہیں ہیں۔ مگر ہیں وہ مکمل۔ ان کو زیادہ سے زیادہ حکایت یا کہانی کہا جاسکتا ہے ان میں زبان تو ضرور سلیس ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض لوگوں اور قوموں کے عادات و خصائل کے بوجہ بیان کرنے کے خیال سے انھوں نے فحش الفاظ سے بھی گریز نہیں کیا۔

اسی طرح ایک آدھ اور مثنوی بھی میری نگاہ سے گزری جو نہایت عمدہ تھی مگر افسوس کہ اس کا نام میرے ذہن میں اب نہیں ہے۔

عبدالباری آسی

۲۸۔ نومبر ۱۹۴۲ء

دیباچہ ثنوی سحرالبیان

(از میر شیر علی افیس)

حمد کی لیاقت اسی صانع کو ہے جس نے عناصر راہِ بعد کو کہ آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اپنی قدرت کاملہ سے ربط دے کر ایک کان ٹھہرایا اور کیفیت متوسط پر مرکبات کے اجسام کو بنایا لیکن انسان کو ہر مخلوق سے شریف تر اور لطیف تر خلق کیا کہ نفس ناطقہ نے علاقہ اُسی سے پکڑا اور وہی کلیات و جزئیات کی حقیقت سے ماہر ہوا یہاں تک کہ تعلیم و تعلم کا سلیقہ اُسے بخوبی آگیا اور اُس کی زبان میں بھی استعداد ہر لغت سے تلفظ کی بخشی چنانچہ اُس نے جس بولی کو چاہا سیکھ لیا بلکہ سکھا دیا، پس لازم ہے کہ اس کے شکر میں ہر دم اپنی زبان گویا رکھے اور اُس کی حمد کو ہر حال میں اپنا ورد کرے۔

کہ یاد آئی ہے دونوں جگہ حصول	نہ بھول اپنے خالق کو اُنل نہ بھول
اُسی کو فقط یا راہِ اپنا سمجھ	اُسی کو مددگار اپنا سمجھ
ترے کام آوے یہ امکان کیا	جیسے وقت میں کوئی اُس کے سوا
فقط اُس سے ہی بس لگا اپنا دل	محبت سے سب کی اٹھا اپنا دل
اور امکان سخن کا رہے جب تلک	زبان تیری گویا رہے جب تلک
سخن کوئی بس اس سے بہتر نہیں	کیا کر ثنائے جہاں آفریں
تو کہ لغت احمد شیعہ کائنات	جو بعد اس کے منظور ہو کوئی بات

فی الواقع ستودہ خدا سب انبیاء و اولیاء ہیں، تعریف انکی موافق مقدور

ہر ایک کو ضرور ہے خصوصاً نعت و منقبت خاتم المرسلین اور اس کے وحی امیر المؤمنین علیہما السلام کی کیونکہ انھوں ہی نے دنیا میں ہم کو راہ ہدایت کی بتلائی کہ ہم نے منزل ایمان کی سہولت پائی عاقبت میں بھی اُمید شفاعت کی اور نعمائے جنت کی انھیں سے رکھتے ہیں۔

بے ان کا ہی ہم کو فقط آسرا بنی و علیؑ اپنے ہیں پیشوا دسے مولا ہیں میرے میں نکا غلام بدل بھیتا ہوں میں شام و سحر	بھروسہ کسی کا نہیں اک ذرا بنی و علیؑ اپنے ہیں پیشوا انھیں سے ہے کو میں میں محکوم کام درو د ان پر اور ان کی اولاد پر
--	--

بعد اس حمد و نعت کے تنوی سحر البیان اکم با سچی ہے کیونکہ اس کا ہر شعر اہل مذاق کے دلوں کے بٹھانے کو موہنی منتر ہے اور ہر دوستان اس کی سحر سامری کا ایک دفتر، جو چیز کہ حقیقت میں خوب ہوتی ہے وہی طبائع کو مقبول و مرغوب ہوتی ہے، راست ہے کہ اس کا انداز سراپا اعجاز ہے، اور وہ ہر ایک صاحب طبیعت کے مساوی تعریف اس کی جہاں تک کیجیے بجا ہے، کیونکہ فصاحت و بلاغت کا اس میں ایک دریا بہا ہے اچانک اگر کسی شعر میں غلطی یا اس کی بندش میں سستی پائی جائے تو قابل نام و دھرنے کے اور اعتراض کرنے کے نہیں۔ اس لیے کہ جہاں جنر کی کثرت ہوتی ہے وہاں عیب بہ قلت شمار میں نہیں آتا، اور تعرض اس کا منصف مزاجوں کو نہیں بھاتا۔

بقول شخصے ع

شعر گر اعجاز یا شد بے بلند و پست نیست

صلے کا اس کے ماجرایہ ہے کہ نواب وزیر الممالک آصف الدولہ مرحوم نے ایک دو سالہ خاص اپنے اوڑھنے کا دست بقیچے میں سے نکلوا کر مصنف کو عنایت کیا رتبہ تو اس کا البتہ بڑھا یہ دل گھٹ گیا، اس لیے کہ مطلب دلی حاصل نہ ہوا لیکن یہ کھوٹ صرف طالع کی ہے کیونکہ مال کھرا خریدا اور آٹا بڑا اور سودا خاطر خواہ نہ ہوا، بلکہ گھاٹا آیا۔

یہ چند سطرین مصنف کے حسب نسب اور احوال میں ہیں
مصنف اس کا میر حسن دہلوی متخلص بہ حسن خلعت میر غلام حسین صاحب حکم کا، وطن اجداد شہر ہرات قوم سادات گردش ظلمی سے انھوں نے شہر مذکور کو چھوڑا اور دلی میں آکر پڑانے شہر کا رہنا اختیار کیا، وہیں یہ بزرگ پیدا ہوا بلکہ بن تمیز کو پہنچا۔

دادا اُس عالی قدر کا سنتے ہیں کہ حاجی و فاضل تھا، لیکن باپ کو فضیلت نہ تھی مگر طالب علمی میں شرح ملائک پڑھا تھا پیر فارسی میں استعداد اچھی تھی، بلکہ شعر بھی مثنوی و رنگین گا ہے گا ہے اس زبان میں کہتا تھا، چنانچہ یہ رباعی طبع زاد اُس کی راقم نے اسکی زبانی سنی ہے۔

فریاد دلا کہ غمگساراں رفتند	سیمیں یدناں و گلزاراں رفتند
چوں بوسے گل آئند بر باد سوار	در خاک چو قطرہ ہائے باران رفتند

قصیدہ بھی ایک آدھ اس مخفوق کا رتبہ وار دیکھا ہے، لیکن ہزل پر از بیک مزاج میر غیب تھا غزل کہنی ترک کی تھی قیامت ہنسوڑ اور ٹھٹھول تھا، متخلص اس کا اس پر وال ہے۔ پر ظاہر تہا بیت تھے اور تشرع، اکثر عامہ عربی سبز سر پر بندھا رہتا تھا، اور یہاں کم گھیرا ہل چنکا

گلے میں واڑھی متوسط لیں لی ہونی قد میانہ گندم گول لیکن میر حسن داڑھی منڈوا تے
تھے پر جامہ نیمہ ان کا بھی ویسا ہی تھا اور پگڑی کی بندش قدیم ہندوستان ادوں
کی سی قد لمبا تھا اور رنگ گندمی ہر چند وضع تو ایسی تھی پر شوخ مزاج و لطیفہ گو
وے بھی تھے نہ ہزال و فحاش۔

سوائے اس کے بردباری اور لٹناری اُن کی خلقت میں تھی کسی کو
میں نے اس عزت سے شاکہ نہیں پایا، اور بیزار نہیں دیکھا، طبع اس کی
موزوں طفولیت سے تھی شعر کی طرف رغبت رکھتا تھا، اکثر خواجہ میر درد
کی صحبت سے مستفید شاہجہاں آباد میں لڑکا ٹی کے بیچ ہوا ہے اور بعد بہم
ہونے سلطنت کے شہر مذکور سے مجبور اپنے والد کے ساتھ صوبہ اودھ میں آیا
سکونت فیض آباد میں اختیار کی علاقہ روزگار کا نواب سالار جنگ بہادر
مرحوم کی سرکاریں بہم پہنچایا، مصاحب مرزا نوازش علی خاں بہادر
سرور جنگ دایم شروٹہ کا ہوا، مرزا اب موصوف بڑا بیٹا نواب مخدوم کا
ہے، خدا اُسے سلامت رکھے کہ اشعار سے اُسے رغبت اور شعر اسے
محبت ہے، چنانچہ میر مذکور کو بھی اُس نے اپنا انیس و چالیس کیا تھا، اور
وہ تھا بھی اسی لائق اگرچہ علم عربی اُسے مطلق نہ تھا ابانی رسمیت تھی بلکہ
جستہ حیثیت شعر یا کوئی رباعی سمجھو کہ بھی لیتا تھا۔ لیکن علم مجلس میں جسے بدل
اور شعر ہندی میں اکمل تھا، مشق سخن اس نے اسی ملک میں میر
ضیاء الدین ضیاء تخلص سے کہ ہم مشق مرزا ارفع سودا اور میر تقی میر
کے تھے کی تھی۔ سوائے ان کے مرزا اُسے مرحوم سے بھی ان کی
غیبت میں اکثر اوقات اصلاح لی تھی چنانچہ اس کا اقرار راقم کے

سامنے کیا ہے، غرض میرے مرحوم صاحب دیوان ہے۔ غزل۔
 رباعی، مثنوی، مرثیہ میں سلیقہ نہایت خوب رکھتا ہے، بلکہ
 سوائے قصیدے کے ہر قسم کی نظم پر قادر تھا، سچ تو یہ ہے کہ
 اورابندی کا حق اُن نے خوب ادا کیا، اور انداز شعر کا کس خوبی سے رکھا،
 خدائش بیامر زاد۔ راقم کو اُس سے دوستی دلی تھی کبھی بخش خفگی باہم نہیں ہوئی
 حالانکہ اُسی سرکار میں میں بھی نوکر اور اُسی صاحب زادے کا ہم نشین تھا،
 دس برس تک دن رات ایک جگہ رہے بلکہ اکثر آپس میں غزلیں
 ہم طرح ہوئیں اور صحبتیں شعر کی رہیں، لیکن نہ بطور استفادہ کے جیسا
 کہ نواب علی ابراہیم خاں مغفور نے بے تحقیق اپنے تذکرے میں لکھا
 ہے، صاف اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں نے مشورہ سخن کا اس
 مرحوم سے بھی کیا ہے، اگر یہ بات حقیقت میں ہوتی تو کچھ عیب نہ تھا
 ہر گاہ حقیر میر حیدر علی حیراں کی شاگردی کا مقر ہے باوجود اس کے کہ
 شاعری اُن کی میر حسن سے زیادہ نہ تھی پھر کس لیے اس بات کا انکار
 کرتا۔ قاعدہ یہی ہے کہ ایک سے سیکھتے ہیں اور دوسرے کو سکھاتے
 ہیں، لیکن جھوٹی بات پر اقرار نہیں کیا جاتا اور سچی سے انکار نہیں
 ہو سکتا۔ آخر چرخ تفرقہ پرداز نے باہم تفرقہ ڈالا، اتفاقاً میرا روزگار
 سنہ گیارہ سے ننانوے میں صاحب عالم مرزا جواں بخش کی
 سرکار میں ہوا۔ میں اُن کے ہمراہ بنارس میں آیا۔ بعد اس کے
 اس بزرگ کو آخر ذی الحجہ سنہ بارہ سے ہجری میں مرض الموت لاحق
 ہوا۔ ندان غرہ محرم کو کہ سنہ بارہ سے ایک شروع ہو چکے تھے

اس دار فانی سے اُس نے سرائے جادو دانی کو کوچ کیا اور شہر
لکھنؤ میں مفتی گنج کے بیچ مرزا قاسم علی خاں بہادر دام ظلہ کے
باغ کے پیچھے مدفون ہوا۔ خداے کریم اس کو یہاں دارالسلام
عطا کرے اور وہاں قصر جنت بخشے۔

عدم سے مسافر جو آیا یہاں
مقرر وہ ایک روز جاوے گا وہاں

رہے جگ میں ہر چند وہ ہر نہیں
پر اُس کا ٹھکانا ہے دیر زمیں

نہ عظمت میں اپنی تو اوقات کھو
ارے بے خبر جاگتے میں نہ سو

ہماں میں تو ہماں ہے چند روز
ترے جسم میں جان ہے چند روز

یہ ہمت غنیمت ہے کرے وہ کام
کہ جس سے رہے تاابد نیک نام

فی الواقع نیک نامی بھی عجیب چیز ہے، انسان کا نام اسی سے
زندہ رہتا ہے یا کلام و اولاد سے سو وہ خوش نصیب بیٹے و دونوں
اس سمیت چھوڑ گیا، چار بیٹے فضل الہی سے اس کے اب تک
موجود ہیں، تین شاعر ہوئے بود و باش انھوں نے فیض آباد میں
اختیار کی معاش نوکری پر ہے، چنانچہ میر حسن خلیق تخلص اور
میر حسن محسن تخلص مرزا تقی ہو بیگم صاحب مادر آصف الدولہ مظاہر

کے داماد کے رفیق ہیں اور میر حسن خلق تخلص داراب علی خاں ناظر کے ساتھ ہے، یہ اور خلیق دونوں صاحب دیواں ہیں، شعر اپنے باپ ہی کے انداز پر کہتے ہیں، لیکن خلیق کا سرشتہ اصلاح کامیاب مقصوفی سلمہ اللہ سے متعلق رکھتا ہے، خدا اُسے اور اُنھیں سلامت رکھے، یہ دیکھ کر چند فقرے بطور دیباچہ زبدۂ نوینان عالیشان منظر مشیر خاص شاہ کیوان بارگاہ انگلستان مارکوس ولزلی لارڈ گورنر بہادر دام اقبالہ کے عہد میں کہ ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء کے ہیں۔
 حسب الارشاد صاحب والامناقب جان گلکرسٹ بہادر مدرس ہندی دام دولہ کے اس عاصی نے لکھے اور ان کو اس مثنوی کا ضمیمہ کیا۔

تمام شد دیباچہ میر شیر علی افسوس

نوٹ:۔ اس مقدمہ کی زبان اور طرز بیان اگرچہ قدیم ہے اور زمانہ موجودہ کے طرز و روش سے علحدہ ہے۔ مگر کچھ بھی میر حسن کے خاندانی حالات اور شاعرانہ کمالات۔ مثنوی بحر البیان کے سہ تصنیف وغیرہ پر اس کا بہت کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ خود دیباچہ نویس کے متعلق بھی بہم پہنچتی ہے۔ میر حسن کے سند وفات میں جو اختلافات ہیں وہ بھی اس معلوم ہوتا ہے۔ غرض کہ یہ مقدمہ ایک تنقید لکھنے والے کے لیے انتہائی اہم اور ضروری ہے۔ اور امید ہے کہ یہ سعی بھی مقبول ہوگی۔

(آسی)

الحمد لله

اس زمان مہینت آفران میں

مجموعہ

شہادتِ حسین

جس میں سحر البیان یعنی سحر

بیظ و بدیر

اور گلزارِ ارم و روزِ العارفین شامل ہیں

باتِ تمام بی بی کبیرہ سپر ٹیڈنٹ

نوٹکشوپریس لکھنؤ جسکی شالیع ہوا

۱۹۴۷ء



جھکا جسکے سجدے کو اول قلم
 کہا دوسرا کوئی تجھ سا نہیں
 ہوا حرف زن یوں کہ رب العلا
 تری ذات ہی وعدہ لا شریک
 کہ ہو ذات تیری غفور الرحیم
 تجھے سجدہ کرتا چلوں سر کے بل
 قلم جو لکھے اُس سے افزود ہے
 یہ دل ہیں تمام اور وہی جان ہی
 وہ ایر کرم ہے ہوا دار خلق

گردن پہلے تو جہ پڑواں رقم
 سر لوح پر رکھ بیاض جبین
 قلم پھر شہادت کی انگلی اٹھا
 نہیں کوئی تیرا نہ ہو گا شریک
 پستش کے قابل ہو تو اے کریم
 رو حمد میں تیری عز و جہل
 وہ الحق کہ ایسا ہی معبود ہے
 سمجھوں گا وہی دین و ایمان ہی
 تروتازہ ہے اُس سے گلزار خلق

۱۵ ہوا دار۔ دوستدار۔ خیر خواہ ۱۲۔ آسی

وے پرورش سب کی منظور ہے
جو وہ ہر باں ہو تو کل مہرباں
پر اُس بن تو کوئی کسی کا نہیں
اُسی کی طرف سب کی جو بازگشت
موسے اور جیتے وہی ہے وہی
یہ سب اُسکے عالم ہیں ہنوز ہزار
ہمیشہ سے ہو اور رہے گا ہمیشہ
کہ مشتاق ہیں جس کے یاں جزو کل
اُسی کا ہے دوزخ اُسی کا بہشت
جسے چاہے دوزخ میں رکھے ملام
ہو قبضے میں اُسکے زمان وز میں
دل بستگان کو ہے اُس سے کشود
اُسی کے سخن پر ہے گفت و شنید
اُسی کے یہ ذرے ہیں شمس و قمر
وہ کچھ شے نہیں پر ہر اک شے میں ہے
ولیکن چمکتا ہے ہر رنگ میں

اگرچہ وہ بے فکر و غیور ہے
کسی سے نہ برآوے کچھ کام جاں
اگرچہ یہاں کیا ہو اور کیا نہیں
موتے پر نہیں اُس سے رفت و گذشت
رہا کون اور کس کی بابت رہی
تہاں سب ہیں اور سب میں ہو آشکار
فلسے سب ہیں اُس سے وہ ہر سبے پیش
چمن میں ہو وحدت کے یکتا وہ گل
اُسی سے ہو کعبہ اُسی سے کنشت
جسے چاہے جنت میں دیوے مقام
وہ ہے مالک ملک دنیا و دیں
سدا بے نمودوں کی اُس سے نمود
ایسی نظر سے ہو ہم سب کی دید
وہی نور ہو سب طرف جلوہ گر
نہیں اس سے خالی غرض کوئی شے
نہ گوہر ہیں وہ ہے نہ ہو سنگ میں

۱۔ غور بہت ظریف نہ۔ یہ لفظ پنج اول نظم نالی لائن پر ہے رفت و گذشت گیا گذرا ہے تعلق ۱۱
۲۔ بابت۔ ذریعہ رفتار ۱۲۔ لکن یعنی اشارہ ہزار عالم ۱۳۔ کنشت آشکارہ۔ بیہودوں کا موجد
۴۔ بے نمود سے مراد عاجز و کم و تہہ جھیر لوگ ۱۴۔ دل بستگان مراد دل یا دوست ۱۵۔ کشود کشاوت
۱۶۔ یعنی ہماری قوت باصرہ اُسی کے حکم سے ہے۔ یا ہم سب اُسی کی نظر کو دیکھتے ہیں ۱۷۔
۱۸۔ یعنی اُس کو کسی جسم کے ساتھ جسم میں نہ آسکتا ۱۹۔ اُسی

<p>پر ظاہر کوئی اُس سے باہر نہیں تو سب کچھ وہی ہر نہیں اور کچھ پھر ہے لیے ساتھ دریا حباب سمجھنے کی ہے بات کہنا نہیں نہیں لکھ سکے حمد پروردگار زبانِ قلم کو یہ قدرت کہاں سوا عجز درپیش کچھ یاں نہیں کہ جسے کیا کن میں کون و مکاں کیا خاک سے پاک اُسے ہیں وہی اور امام اُسے پیدا کیے بڑائی بھلائی سمجھائی تمام کہ تا ہونہ اُس راہ کی بازخواست کہ جنت کے رستے کو سیدھی گئی</p>	<p>وہ ظاہر پیش ہر چند ظاہر نہیں ماہل سے کیجے اگر غور کچھ اُسی گل کی جو بو سے خوشبو گلاب پراس جوش میں آکے ہنا نہیں قلم گو زباں لاوے اپنی ہزار کہ عاجز ہے یاں انبیا کی زباں اس عہد سے کوئی بھی نکلا نہیں وہ معبود پیکتا خدا سے جہاں دیا عقل و ادراک اُسے ہیں پیغمبر کو بھیجا ہمارے لیے جہاں کو اُنھوں نے دیا انتظام دکھائی اُنھوں نے ہمیں راہ رست سودہ کون سی راہ شرع بنی</p>
---	---

نعت حضرت سالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

<p>نبوت کے دریا کا دریا یمیم یہ علم لکھتی کھلا دل پر سب</p>	<p>نبی کون یعنی رسول کریم ہو اگو کہ ظاہر میں اُمی لقیب</p>
---	--

۱۔ یعنی جو وجود کی میں اگر اویلازم ہے ۱۲۔ عہدہ نورانی روزہ عہدے کا لکھنے سے کر لیا ہے ۱۳۔ خاک پاک
۱۴۔ اُن کی دین سے اعلیٰ مرتبے پر پہنچا ۱۵۔ وہی وہ جس کے خدایں وہ سے اتنی جوار ۱۶۔ امام بیتوں میں
۱۷۔ بازخواست وہی ہوئی چیز پھر وہاں مانگنا پر سبش ۱۸۔ علم لکھتی وہ علم جو
۱۹۔ غیر استاد کے بعض فضل الہی سے حاصل ہوا اسی۔

گزشتہ ہوئے حکم تقویم پار
بتوں کو خدائی سے باہر کیا
بنایا نبوت کا حقدار اُسے
لکھا اشرف الناس خیر الانام
خدائے کیا اپنا محبوب اُسے
کھڑے ہوں جہاں بندہ صفت سلاں
تجلی طور اُس کی مشعل فروز
سلیمان سے کئی ہزار اُسکے ہاں
زرہ ساز داؤد سے دہاں ہزار
ہوا ہے نہ ایسا نہ ہو گا کہیں
کہ رنگ دہی و اشک آیانہ تھا
ہوا صریت پوشش میں کعبہ کی سب
کہ تھا گل وہ اک معجزے کا بدن
نہ آیا لطافت کے باعث نظر
کہ تھا وہ گل قدرت حق کی بو
اُسی نور حق کے رہا زیر پا

ہوا علم دیں اُس کا جو آشکار
اٹھا کفر اسلام ظاہر کیا
کیا حق نے نبیوں کا سردار اُسے
نبوت جو کی حق نے اُس پر تمام
بنایا سمجھ بوجھ کر خوب اُسے
کروں اُسکے رتبہ کا کیا میں بیاں
میخ اُسکے خرگاہ کا پارہ دوز
خلیل اُسکے گلزار کا باغبان
خضر اُسکی سرکار کا آبدار
محمد کے مانند جگت میں نہیں
یہ تھی رمز جو اُسکے سایانہ تھا
نہ ہونے کا سایہ کے تھا یہ سبب
وہ قد ایلے تھا نہ سایہ فکن
بنایا سایہ اُسکا لطیف اس قدر
عجب کیا جو اُس گل کے سایہ نہو
خوش آیانہ سایہ کو ہوتا جدا

۱۔ تقدیم پار پرانی جزیرہ مراد بیکار ۱۲۔ اشرف الناس آدمیوں میں سب سے زیادہ
بزرگ خیر الانام دنیا کا بہترین آدمی ۱۳۔ خرگاہ ایک قسم کا بڑا غنہ۔ امرا کا خیمہ پارہ دوز
پیر کا لگانے والا ۱۴۔ ہزار و ہندہ دار جسکی پیروی میں امرا اور سلاطین کی ہر ہوں
۱۵۔ آبدار۔ بادشاہوں اور امیروں کے یہاں کا وہ منصب دار جسکے پیرو پانی پانی
کی خدمت ہو ۱۶۔ جگ۔ مراد زمانہ ۱۷۔ اسی۔

<p>نہ ڈالی کسی شخص پر اپنی چھاؤں وہ ہوتا زمین گیر کیسا فرش پر نہ ہونے کی سائے کے اک و چادر جہاں تک کہ تھے پاں کے اہل نظر بھسوں نے کیا پتلیوں پر اٹھا سیاہی کی پتلی کا ہے یہ سبب وگرنہ یہ تھی چشم اپنی کہاں نظر سے جو غائب وہ سایہ رہا</p>	<p>کسی کا نہ منہ دیکھا دیکھ اُسکے پاؤں قدم اُسکے سایہ کا تھا عرش پر مجھے خوب سو بھی ہے ہر شرط غور سمجھ مایہ نور کھیل البصر زمیں پر نہ سائے کو گرنے دیا وہی سایہ پھر تابے آنکھوں میں اب اسی سے یہ روشن ہے سارا جہاں ملائک کے دل میں سمایا رہا</p>
--	---

منقبت حضرت امیر المومنین علیہ السلام

<p>ہمیں ہمسرا کا کوئی جز علیؑ ہوئی جو نبوت نبی پر مستام جہاں فیض سے اُنکے ہو کامیاب علیؑ دین و دنیا کا سردار ہے دیار امامت کے گلشن کا گل علیؑ راز دار حسد او نبی علیؑ بندہ خاص و رگاہ حق علیؑ ولی ابن عتہ رسول کہے یوں جو چاہے کوئی میر سے</p>	<p>کہ بھائی کا بھائی دھی کا دھی ہوئی نعمت اُسکے دھی پر شام نبی آفتاب و علیؑ ماہتاب کہ مختار کے گھر کا مختار ہے ہمارے ولایت کا باغ میل خبر دار سرخفی و جہلی علیؑ سالک و شہر و راہ حق لقب شاہ مرداں و زوق قبول پر نسبت علیؑ کو نہیں غیر سے</p>
--	--

۱۔ اُنکے کا سر پہ ۱۱ سلہ زون قبول یعنی شہر حضرت فاطمہ علیہا السلام ۱۱۔ اسی

<p>خدا نفس پیغمبرش خواندہ است یہاں بات کی اب سائی نہیں نبیؐ اور علیؑ ہر دو نسبت بہم علیؑ کا عدد دوزخی دوزخی نبیؐ و علیؑ فاطمہؑ اور حسنؑ ہوئی اُن پہ دو جگ کی خوبی تام علیؑ سے لگاتا بہ ہندی دیں انہوں سے ہو قائم امامت کا گھر صغیرہ کبیرہ سے یہ پاک ہیں ہوایاں سے ظاہر کمال رسول</p>	<p>وگر افضیلت نہ کس ماندہ است نبیؐ اور علیؑ میں جدائی نہیں دو تاؤ یکے چوں زبان قلم علیؑ کا عجب جنتی جنتی حسینؑ ابن حیدرؑ یہ ہیں بختی انہوں پر درود اور انہوں پر سلام یہ ہیں ایک نور خدا سے بریں کہ بارہ ستوں ہیں یہ اثنا عشر حسابِ عمل سے یہ بیباک ہیں کہ بہتر ہوئی سب سے آل رسول</p>
--	---

تعریف اصحاب پاک ضوان اللہ علیہم اجمعین

<p>سلام اُن پہ جو اُسکے صحابہؓ ہیں خدا نے انہوں کو کہا مومنین خدا اُن سے رضی رسول اُن سے خوش ہوئی قرض اُن کی ہمیں دوستی</p>	<p>وہ اصحاب کیسے کہ احباب ہیں وہ ہیں زینت آسمان وز میں علیؑ اُن سے رضی بول اُن سے خوش کہ ہیں دل سے وہ جاں نثار نبیؐ</p>
---	---

۱۔ ترجمہ خدا کے قبائل حضرت علی علیہ السلام کو نفس پیغمبر قرار دیا ہے۔ ردِ سرے کے لیے
کوئی فضیلت نہیں رہی ۱۱۔ وہ وہ ہیں گو پھر بھی زبان قلم کی طرح ایک ہیں ۱۲۔ صغیرہ -
پھوٹے گناہ کبیرہ - بڑے گناہ ۱۳۔ عبد الباری آسی -
۱۴۔ رضی اللہ عنہم و رضوانہ علیہم۔ وہ خدا سے خوش خدا اُن سے خوش ۱۵۔ آسی

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

بجی علیؑ و باصحابیؑ دیں
 کروں عرض جو میں سوہوئے قبول
 گناہوں سے اپنے گناہوں
 کہ تو ہے کریم اور آمرزگار
 شراب محبت کو تیری پیو
 یہی ہونہ ہو اور کچھ اتکچ پیچ
 سوا اس الم کے نہ ہو کچھ الم
 بجی حسنؑ اور بجی حسینؑ
 تو کر خود بخود میری حاجت روا
 خوشی سے ہمیشہ خدا مجھ کو رکھ
 مرے دوستوں کو تو آباد رکھ
 سدا رحم کر ان پر تو اے رحیم
 رہوں میں عزیزوں میں عزت کے ساتھ
 بجی محمد علیہ السلام

الہی بجی رسولؐ امیں
 بجی بتولؑ و پال رسولؐ
 الہی میں بندہ گنہگار ہوں
 مجھے بخشو میرے پروردگار
 مری عرض یہ ہے کہ جب تک جیوں
 سوا تیری الفت اور سببِ حیات
 جو غم ہو تو ہو آل احمد کا غم
 ہے سب طرف سے مرے دل کو چین
 کسی سے نہ کرنی پڑے التجا
 صحیح اور سالم سدا مجھ کو رکھ
 مری آل و اولاد کو شاد رکھ
 میں کھاتا ہوں جن کا نکلے کریم
 جیوں آبرو اور حرمت کے ساتھ
 برآویں مرے دین و دنیا کے کام

تعریف سخن

کہ مفتوح ہو جس سے باب سخن

پلا مجھ کو ساقی شراب سخن

لے مراد جھگڑا ۱۲۵ مفتوح کشادہ ۱۲۵۔ آسی

<p>سخن کی بجھے فکر دن رات ہے سخن کے طلبگار ہیں عقلمند سخن کی کریں فکر مردان کار سخن سے دہی شخص رکتے ہیں کام سخن سے سہل کی بھلائی رہے کہاں رستم و گیو و افراسیاب سخن کا صلہ یار دیتے رہے سخن کا سد اگر م بازار ہے رہے جب تک داستان سخن</p>	<p>سخن ہی تو ہے اور کیا بات ہے سخن سے ہے نام نگو بیان بصر سخن نام اُن کا رکھے پر قرار جھین چاہیے ساتھ نیکی کے نام زبان قلم سے بڑائی رہے سخن سے رہی یاد یہ نقل خواب جو اہر سدا مول لیتے رہے سخن سچ اُس کا خریدار ہے اتنی رہیں قدر دان سخن</p>
---	--

۷۔ مہج شاہ عالم بادشاہ غازی بہادر کی

<p>ز میں بوس ہیں جکے شخص و قمر وہ ہو بوج اعلیم میں آفتاب جہاں ہووے اور ہو جہاندار شاہ اور اُس کا یہ بچم سعادت وزیر</p>	<p>خدیو فلک شاہ عالی گھر جہاں اُسکے پڑتو سے ہو کایاب اُسی ہر سے ہے منور یہ ماہ وہ ہر منور یہ ماہ و منیر</p>
---	--

۸۔ مہج وزیر الماکن جناب اب صف الدولہ بہادر کی

<p>کہ ہے آصف الدولہ جہاں خطا ہو آبادی ملک جس کی مراد</p>	<p>فلک مر تبہ نواب عالیجناب وزیر جہاں حاکم عدل و داد</p>
---	---

۱۰۔ سلف۔ گذرے ہوئے لوگ۔ ۱۱۔ بادشاہ ۱۲۔ اسی

<p> جہاں عدل سے اُسکے آباد ہے پھر سے بھاگتا مور سے قیل مست کتاں پر کرے نہ اگر بد نظر کسی کا اگر مفت لے زلف دل وہ انصاف سے جو گزرتا نہیں نہ ہو باگہ بگری میں کچھ گفتگو گر آواز سن صید کی کچھ کہے پھر سے شمع کے گرد گر آئے چور نہ لے جب تلک شمع چڑھوانگنی اگر آپ سے اس پہ وہ آگرے گر اشیائے اُسکے جلیں پاں دہر اُسے عدل کی جو طرح یاد ہے ستم اُس کے ہاتھوں سے رویا کے گھروں میں فراغت سے سوتے ہیں ب وہ ہے باعث امن خرد و کلاں </p>	<p> فقیر د غریبوں کا دل شاد ہے زبردست ظالم پہ ہر زبردست تو آدھا ادھر اور آدھا ادھر تو کھایا کر سب بچ وہ متصل کسی پر کوئی شخص مرتا نہیں اگر اُس کا چیتا نہ ہو فے کبھو تو باز آئے چیخ کہ بہری رہے صبا کھینچ لے جاوے اُسکو بزدل قتلے کے پر کو نہ چھیڑے کبھی تو فافاوس میں شمع چپتی پھرے تو کلاں لے شمع کا کاٹ سر کسے یاد ہے یہ خدا داد ہے سدا فتنہ دہر سو یا کرے پڑے گھر میں چور اپنے روتے ہیں سب کہ ہے نام سے اُسکے مشتق اماں </p>
--	--

بیان سخاوت کا

۹

<p> میان سخاوت کروں جو رقم تو زر ریز کا غد پہ ہووے قلم </p>	<p> سناں باگہ شیر ۱۲ سو چا ہوا ۱۱ پہنچ نیک قسم کی ابیلی مہری ایک ہند ۱۰ شمع کا جو وہ رخہ جو شمع میں ایک طرح کے گھسنے پہ تلبہ ۱۲ وہ ہر گاہ اجازت ۱۱ اجاتا اتفاقاً کبھی کبھی ۱۰ شمع طرح کا ۱۰ اکستہ طور پر </p>
--	--

<p>دیا مثل نرگس اُسے سیم و زر کہ اک ن دوشالے دیئے تات سے کہ ہو جس پہ قربان حاتم کی جان گرانی تھی ہونے لگی ایک سال تو دل کا بھی پاؤں چلنے لگا خدا کی دیارہ میں مال و زر کہ ناڑے سے اس غم کی کھولیں گے کئی لاکھ لاکھ ایک ن میں دیے لیا ہاتھ نے اُسکے گرو کو تھام یہ آئین سرداری و سرداری تکلف ہے آگے سخاوت کا نام کہ ایک ایک یاں ہو گیا ہے غنی چٹکنے کی گل کے نہ ہووے صدا اثر ابر نیساں سے ہووے عدم تو نخلت سے جانے زیر میں گڑی فلاطوں طبیعت اور سطو نژاد تب اُسکو دیا ہے یہ کچھ مال و زر</p>	<p>نظر سے توجہ کی دیکھا جدھر سخاوت یہ ادنیٰ اسی اک اُسکی ہے سوا اسکے ہے اور یہ دہستان ہوئی کم جو اک بار کچھ پر شکال غریبوں کا دم سا نکلنے لگا وزیر المملک نے تدبیر کہ محلہ محملہ کیا حکم یہ یہ چاہا کہ خلقت کسی ڈھب جیسے یہ بغرض پڑی ملک میں جو تمام یہ بندہ نوازی یہ جان پروری ہوئی ذات پر اس سخی کی تمام فقہ و فکی تو یاں تلک ہے بنی یہ کیا دخل آواز دے جو گدا نہ ہو اُس کا شال جو ابر کرم قدح لیکے نرگس جو ہوئے کھڑی ہر اک کام اُسکا جہاں کی مراد جب ایسا وہ پیدا ہوا ہے بشر</p>
---	---

۱۱ برس تک - ۱۲ سالہ گرانی قحط کال پڑنا ۱۲ سالہ پاؤں چنار پاؤں لوگن لکھنا ۱۲
 سالہ کچا سرخ زرد رنگا ہوا سوت ۱۲ سالہ مشہور ہے کہ ابر نیساں دینی اُس گٹھ کا پانی جو کدو
 سے چالیس دن بعد برتا ہے اور مشہور ہے کہ اس پانی سے سپ میں موتی اور بانس عین
 بنا دینا ہے ۱۲ کسی۔

بیان شجاعت کا

۱۵

قتل ہو مرا رستم داستان
اجل کا طمانچہ قسم اسکی کھائے
دل آہن اس جا پہ ہو دے کبود
نظر آئے دشمن سے میدانِ جہاں
ملا دیوے اس تیغ سے منہ کھو
کہ سر پر کھڑی اسکے روئے اجل
کہ برش گئی تشدید جو ہر ہاں سب
نکل آئے یہ گر پڑے وہ اگل
میں گذر جائے یوں جیسے بابر شہنشاہ
تو رہے سببت بھی اسکے ڈرے
کہ ہو خلق کا جیسے دریا ہوا
ہر اک فن میں ماہر جو وہ خوشحال
وزیر جہاں و وحید زماں
غواغض ہیں سب ہل گئے نکات
نکلنی نئی بات دن رات میں
کشادہ ولی اور خوشی متصل

گھوڑوں گر شجاعت کا اسکی بیان
غضب سے وہ ہاتھ اپنا جس پر اٹھائے
کرے جس جگہ زور اس کا غنود
چلے تیغ گر اسکی روزِ مصاف
اگر بیجائی سے کوئی حد
تو ایسے ہی کھا کر گرے سر کے بل
نہ ہو کیونکہ وہ تیغ برق غضب
ہوئی ہم قسم اس کی تیغِ جہل
گھاؤں اگر کوہ پر ایک بار
غضب سے غضب اسکے کا پنا کرے
اور اس زور پر ہر یہ علم و حیا
بہا شک کہ ہیں علم و کسب و کمال
سخن داں سخن سخنِ شیریں زباں
سخن کی نہیں اس سے پوشیدہ بات
سلیقہ ہر اک فن میں ہر بات میں
سدا سیر پر اور تماشے پہ دل

سدا زانی میں فرخ کے صفحہ باندھنے کی جگہ ہزار میدان جنگ اسے غواغض باکیاں
ستہ نکات۔ نکلنے کی جگہ اسے۔

<p> نہ ہو اُسکو کیونکر ہو اسے شکار دلیروں کو ہے بس دلیروں سے کام شہر آئرا ضرور ست مشقِ فکار کھلے بند ہیں جتنے صحرا میں صید زہر شِشِ دل آہواں سو خستہ شہما عنت کا ہمت کا یہ کام ہے نہ ہوتا اگر اس کو عزمِ شکار نہ بچتے جہاں پنج خرد و بزرگ یہ انسان پر اُس کا احسان ہے بنائی جہاں اُس نے پتھر گاہ رکھا صید بھری پر جس دم خیال مگر اپنا دیتے ہیں جی جان کر نہ سمجھو نکلتی ہیں دریا میں موٹیں چرندوں کا دل اس طرف ہے لگا پلنگوں کا ہے بلکہ چشیا ہی خبر اُسکی شکر نہ گینڈا چلے جو کچھ دلیں گینڈے کے آئے خیال </p>	<p> اتور شعاروں کا ہے یہ شعار کہ رہتا ہے شیر و گوسفندوں سے کام کہ آپدے صید دلسا بیکار ہیں نواب کے دام الفت میں قید بفرار اک او چشمہا و خستہ درم ہاتھ میں ہے کہ یادام ہے و زندوں سے بچتا نہ شہر و دیار یہ ہو جاتے سب بقعہ شیر و گرگ کہ بیخوف انسان کی جان ہے رہے صیدواں آگے شام و بنگاہ لیا پشت پر اپنی ماہی نے جال کہ ٹاپو پر گرتے ہیں آن آن کر خوشی سے اچھلتی ہیں دریا میں مں پرندوں کو رہتی ہو اُسکی ہوا مگر آئندھاوے ہماڑی کوئی کہ اکتی بھی ہو مست اینڈا چلے تو بھاگے اس آگے پر اپنی ڈال </p>
---	--

۱۲ ترجمہ بادشاہوں کو شکار کی مشق ضروری ہے کہ دلوں کے فکار کرنے میں کام آئے ۱۲
 ۱۳ ترجمہ اُس کی محبت سے ہر نول کا دل جلا ہوا ہے۔ اُس کے فکار (تسمہ و کار بند)
 پر انھیں لگائے ہی ۱۴ پتھر گاہ۔ شکار کرنے کی جگہ ۱۵ سوس۔ ایک دریا کی زندہ
 جانور ۱۶ چیتا۔ خیال۔ سوچا ہوا ۱۷ اسی

۱۹۹۵
Khalid

آغاز داستان

۱۲

کہ تھا وہ شہنشاہ گیتی چاہ
بہت فوج سے اپنی فرخندہ حال
خطا و ختن سے وہ لیتا خراج
تو کہتا کہ ہے بحر ہستی کی موج
انہیں غلبت دی میں ملتا تھا زور
وہ اس شہ کے رہتے تھے قدروں لگے
غم غم غم کا نہ چو رہی کا ڈر
کہ قدرت خدائی کی آتی تھی یاد
ہر اک کو پہ اسکا تھا رشک بہشت
نظر کو طراوت وہاں صبح و شام
کہ گذرے صفائی سے جس پر نظر
ہر اک جا پہ آب لطافت کی لہر
کہ جوں اصفہان تھا وہ نصف جہاں
ہر اک نوع کی خلق کا از دحام
کہ کھڑے جہاں پر وہیں دل لگا

کسی شہر میں تھا کوئی بادشاہ
بہت چشمے جاہ و مال و منال
کئی بادشاہ اسکو دیتے تھے باج
کوئی دیکھتا آ کے جب اسکی فوج
طویل کے اسکے جوادنی تھے خیر
جہانک کہ سرکش تھے اطراف کے
رعیت بھٹی آسودہ و بے خطر
عجب شہر تھا اسکا مینو شہزاد
لگے تھے ہر اک جا پہاں سنگ و خشت
زمین سبز و سیراب عالم تمام
عمارت تھی گچی کی وہاں بیشتر
کہیں چاہ تیج کہیں حوض و نہر
کردوں اسکی دعوت کا کیا میں یاں
ہنرمند و اہل حرفہ تمام
پہ دلچسپ بازار تھا جوک کا

۱۵ باج۔ محصول خطا و ختن۔ دو شہروں کے نام ۱۵ کم رتبہ آدمی ۱۵ گھوڑے کے
نعل جڑنا ۱۲ بہشت کی سی رونق ۱۲ ۱۵ اصفہان عراق کا ایک مشہور و معروف
شہر جہاں کی تلوار اور سرسہ مشہور ہیں ۱۲ یکسی

جہان شک کہ رستے تھے بازار کے
وہ پختہ مکانوں کے دیوار و در
صفا پر جو اسکی نظر کر گئے
کہوں قلعہ کی اسکی میں کیا شکوہ
وہ دولت سرا خانہ نور تھا
ہمیشہ خوشی رات دن سیر باغ
سدا عیش و عشرت سدا رنگ رنگ
خنی واں ہوا جو کہ آیا تباہ
نہ دیکھا کسی نے کوئی واں فقیر
کہا شک کہوں اسکا جاہ و حشم
سدا ماہر ویوں سے صحبت اسے
بہاروں پر پیچم اس کے غلام
کسی طرح کا وہ نہ رکھتا تھا غم
اوسے بات کا اس کے مقابل پہ داغ
دو ٹوٹ کا عجب اس کے یہ پھیر تھا
وزیروں کو اک روز اس نے مہلا
کہ میں کیا کروں گا یہ مال و مال
فقیر اب نہ ہوں تو کروں کیا علاج
جو اب تو میری گئی اب گزر

کہے تو کہ تھے تھے کلہ ار کے
پسیدی پر جبکی نہ ٹھہرے نظر
اسے دیکھ کر رنگ مر گئے
گئے دب بندی کو دیکھ اسکی کوہ
سدا عیش و عشرت سے معر تھا
نہ دیکھا کسی دل پہ جز لالہ داغ
نہ تھا ولایت سے اپنی کوئی تنگ
عجب شہر تھا وہ غیب بادشاہ
ہوے اس کی دولت گھر گھر امیر
محل و مکان اسکا رشک اژم
سدا جامہ زیبوں سے رغبت اسے
کمر بستہ خدمت میں حاضر نام
مگر ایک اولاد کا تھا اہم
نہ رکھتا تھا وہ اپنے گھر کا چراغ
کہ اس روشنی پر یہ اندھیر تھا
جو کچھ دل کا احوال تھا سو کہا
فقیری کا ہی میرے دل کو خیال
نہ پیدا ہوا وارفتہ سخت و تاج
مٹو وار پیری ہوئی سرسیر

ملہ شہاد کی بنائی ہوئی جنت ۱۲ سالہ دہوں کا پھیر گردش قسمت ۱۱ آئی۔

جوانی لگو زندگی گزشت	دریغ کہ عہد جوانی گزشت
بہت فکر دنیا میں سو یا کیا	بہت ملک پر جان کھو یا کیا
کہ از فکر دنیا و دین غافل	زہے بے تمیزی و بے حاصل
نہ ہو ذرہ تجھ کو کبھی اضطراب	وزیروں نے کی عرض کائنات
نہیں خوب جانا اُدھر خالی ہاتھ	فقیری جو کیجے تو دنیا کے ساتھ
کہ تا دو جہاں میں رہے حال نیک	کہ سلطنت لیکن اعمال نیک
کہ ایسا نہ ہو دے کہ پھر سب کہیں	جو عاقل ہوں وہ سوچ میں ملک ہیں
کہ با آسمان نیز پردا سختی	تو کار زمین را نکو ساختی
فقیری میں ضائع کرو اسکو مت	یہ دنیا جو ہے مزرع آخرت
کہ داں جا کے خرمن بھی تیار لو	عبادت سے اس کشت کو آب دو
کہ اس فیض سے ہو تمھاری نجات	رکھو یاد عدل و سخاوت کی بات
سو اسکا تردد بھی کرتے ہیں ہم	اگر ہاں جو اولاد کا ہے یہ غم
کہ وہم نہ اوقات اپنی تلف	عجب کیا کہ ہو دے تمھارے خلف
کہ قرآن میں آیا ہے لا تقنطوا	نہ لاؤ کبھی یاس کی گفتگو
نصیبوں کو اپنے ذرا دیکھ لو	بلا تے ہیں ہم اہل تجسیم کو
و لے اہل تجسیم کو بھیجے خط	تسلی تو دی شاہ کو اس لفظ

۱۷۰ افسوس کہ جوانی کا زمانہ گزر گیا جو الی کیوں کہو زندگی ہی گزر گئی ۱۷۱۔ اسی لمحہ ترجمہ تو عجب بے تمیز اور فضول آدمی ہے کہ دنیا اور دین کی فکر سے تو غافل ہے ۱۷۲۔ کاسے کہ ۱۷۳۔ ملک۔ ذرا ۱۷۴۔ ترجمہ تو نے دنیا کا کام خوب بنایا ہے کہ آسمان کی طرف توجہ کی ہے ۱۷۵۔ مزرع کھیت۔ کھیتی ۱۷۶۔ کشت کھیتی ۱۷۷۔ خلف لڑکا یا پ کا قائم مقام ۱۷۸۔ لا تقنطوا سن رحمۃ اللہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو ۱۷۹۔ اہل تجسیم۔ بخوبی اشارہ فرما ۱۸۰۔ لفظ طرح ۱۸۱۔ اسی

غرض یاد تھا جنگو اسٹھ بکافن
 جوں ہی رو برو سبہ شہ کے گئے
 دُعا دی کہ ہوں شہ کے بیدار کجبت
 کہا شہ نے میں تم سے رکھتا ہوں کام
 مرا ہو سوال اُسکا لکھو جو اب
 کسی سے بھی اولاد ہے یا نہیں
 لگے کھینچنے زائچے بے قیاس
 لگا دھیان اولاد کا اُسکے ساتھ
 کسی شکل سے دل گیا اُنکا کھل
 کہ ہر گھر میں امید کی کچھ خوشی
 بہت ہم نے تکرار کی ہر طریق
 تو ایک ایک نقطہ ہو فرو خوشی
 کہ طالع میں فرزند ہو تیرے نام
 پیا کر مے وصل کا تو قدح
 کہ ہم نے بھی دیکھی ہو اپنی کتاب
 عمل اپنا سب کر چکا ہے زحل
 خوشی کا کوئی دم میں آتا ہے دور

بخومی و رمال اور برہمن
 بلا کر انھیں شہ کئے لے گئے
 پڑا جب نظر وہ شہ تاج و تخت
 کیا قاعدے سے ٹھہر کر سلام
 نکالو ذرا اپنی اپنی کتاب
 نصیبوں میں دیکھو تو میرے کہیں
 یہ سنکر وہ رمال طالع شناس
 دھری تختی آگے لیا قرعہ ہاتھ
 جو پھینکیں تو شکلیں کئی ٹھہیں مل
 جماعت نے رمال کی عرض کی
 یسٹ ہم سے لے عالموں کے شفیق
 بیاض اپنی دیکھی جو اس رمل کی
 ہو اس بات پر اجتماع تمام
 دن و زوج کی شکل میں ہو فرج
 بخومی بھی کہنے لگے در جواب
 نخست کے دن سب گئے ہیں نکل
 سناے نے طالع نے بدلے ہیں طور

لے پاس ۱۲ لکھ زائچہ۔ جنم پڑا۔ وہ شکلیں جو رمال سوال کا جواب دیتے وقت
 بناتے ہیں ۱۳ لکھ امید۔ صل ۱۲ لکھ نام اشکال رمل کا ۱۲ لکھ ایک ستارہ
 جس کو نخوس بنایا جاتا ہے ۱۲ آسی

نظر کی جو تسلس و تثلیث پر
ایمانڈتوں نے جو اپنا بچا سلا
جنم پترا شاہ کا دیکھ کر
کہا رام جی کی ہے سچ پر دیا
نکلے ہیں اب تو خوشی کے کچن
ہماراج کے ہوں گے مقصد شباب
نصیبوں نے کی آپ کے یادری
مقرر ترے چاہیے ہو پسر
ولیکن مقدر ہے کچھ اور بھی
یہ لڑکا تو ہو گا ورنے کیا کہیں
نہ آئے یہ خورشید بالاے بام
نہ نکلے یہ بارہ برس رشک مہ
کہا اسکے یہ شہ نے اُنکے تئیں

تو دیکھا کہ ہونیک سب کی نظر
تو کچھ انگلیوں پر کیا پھر شمار
تلا اور ہر چھیک پر کہ نظر
چند رماں سا بالکٹ ترے ہوئیگا
نہ ہو گر خوشی تو نہیں برہمن
کہ آیا ہوا پانچو اٹل آفتاب
کہ آئی ہوا ساتویں مشتری
کہ دیتی ہے یوں اپنی پوتھی خبر
کہ ہیں اس بھلے میں فترے طور بھی
خطر ہو اسے بارہویں برس میں
بلندی سے خطرہ ہے اُسکو تمام
رہے برج میں یہ مہ چار دہ
اکو جی کا خطرہ تو اس کو نہیں

لے تسلس اہل نجوم کی اصطلاح میں اسکو کہتے ہیں کہ دو ستاروں کے درمیان میں برج یا گیارہ کا فاصلہ
ہو جیسے قمر حل میں ہو اور مشتری جوزا میں یا قمر جوزا میں ہو اور مشتری حمل میں اور یہ نیم دوستی ہے اور اس کو
تسلس اس لیے کہتے ہیں کہ قمر اور دوسرے ستارے میں ساٹھ درجہ کا فاصلہ ہو آسمان کا چھٹا حصہ ہوتا ہے ۱۲
تثلیث اصطلاح اہل نجوم میں قمر کا سو ستارہ کے ساتھ پانچ یا تینوں کے فاصلہ پر ہونا جیسے کہ قمر حل میں ہو
اور مشتری ارد میں۔ یا مشتری قوس میں ہو اس صورت میں حل سے اس تک پانچ اور حل سے قوس تک نو خانہ ہیں
ان سے نظر دوستی تمام کا پتہ دیتی ہے اور یہ ستارہ سعد خادم اور ناظر کھاجا گیا اور اسکو تثلیث اس سبب کہتے ہیں
کہ قمر اور سعد میں فاصلہ بحجاب درجات آسمان کا تیسرا حصہ ہوتا ہے ۱۲ سے فلک ثور ۱۲ سے طالع میزان ۱۲
۵۵ ہر چھیک برج عقرب ۱۲ سے دہا۔ مہربانی ۱۲ سے چندرماں۔ چاند سا ۱۲ سے بالک۔ لڑکا ۱۲ سے بچی۔ باتیں
۱۲ علامت خوشی بحباب نجوم ۱۲ علامت سرور بحباب نجوم ۱۲ علامت پوتھی سے لڑکیاں تیرہ یا نجوم کی کتاب ہے ۱۲

مگر دشت غربت کی کچھ سیر ہے
کوئی اسکی معشوق ہو استری
خرابی ہو اس پر کسی کے سبب
کہ دنیا میں تو ام ہو شادی
جو چاہے کرے میرا بد وردگار
منجم دہان سے برآمد ہوے
لگا لگائے اپنے حق سے مراد
لگا آپ مسجد میں رکھنے دیا
لگائی اُدھر تو پایا چراغ
ہوئی کشت امید کی بار و بار
رہا حل اک زوجہ شاہ کو
مہل ہوے وہ خوشی ساتھ سب

کہا جان کی سب طرح خیر ہے
کوئی اُسپ عاشق ہو جن دیری
کچھ ایسا نکلتا ہے پوچھی میں اب
ہوئی کچھ خوشی شہ کو اور کچھ الم
کہا شہ نے اس پر نہیں اعتبار
یہ فرما محل میں درآمد ہوے
خدا پر زب اسکو تھا اعتقاد
خدا سے لگا کر نے وہ التجا
نکالا مرادوں کا آخر سراغ
سحاب کرم نے کیا جو اثر
اُسی سال میں یہ تماشا سنو
جو کچھ دل پہ گزرے شے بچ و تعب

داستان تولد ہونے شاہزادہ بنیظیر کی

کوئی دم میں بچا ہے چنگ رہا
کہ اک نیک اختر کرے ہو طلوع
تولد ہوا شہ کے گھر میں پسر

نوشی سے پلا مجھ کو ساقی شراب
کردن نغمہ تہنیت کو شروع
گئے نو مہینے جب اُسپر گزر

۱۲ استری۔ عورت ۱۲ ۱۳ دیا چراغ ۱۳ ۱۴ کھوج ۱۴ ۱۵ تماشے مراد یہاں عجیب بات ہے ۱۶
۱۵ چنگ ایک ستارہ کی قسم کا باجا۔ رہا سازگی کی قسم کا ایک باجا ۱۶ ۱۷ تہنیت۔ مبارکباد ۱۷
۱۸ نو بجے تو ۱۲-۱۳-آسی۔

تولد ہونے کے وقت

جسے ہر دمہ دیکھ شیدا ہوا
اُسے دیکھ بیتاب ہوا آفتاب
رکھا نام اُس کا شہ بے نظیر
کئی نذرین گزرا نیاں اور کس
کہ پیدا ہوا اور شہ تاج و تخت
فلک مرتبت اور عطار در رقم
غلامی کریں اسکی خاقان چین
کیے لاکھ سجدے کہ اے بے نیاز
نہ ہو تجھ سے مایوس اُمیدوار
تہیہ کیا شاہ نے جشن کا
اُٹھیں خلعت و زر کا انعام دے
کہو خانماں سے تیار ہو
کہ نقار خانے میں دو حکم جا
خبر سنکے یہ شاد ہوں خاص عام
لگا ہر جگہ یاد دل اور زری

عجب صاحب حسن پیدا ہوا
نظر کو نہ ہو حسن پر اُسکے تاب
ہوا وہ جو اس شکل سے دلپذیر
لوگوں نے خواجہ سراؤں نے جا
مبارک تجھے اے شہ نیچوخت
سکندر نژاد اور دارا حشم
رہے اُس کے اقلیم زیر نیگیں
یہ سینتے ہی مژدہ بچھا جانا نہ
تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار
دوگانہ غرض شکر کا کر ادا
وہ نذرین خواصوں کی خو جو نیکی لے
کہا جاؤ جو کچھ کہ درکار ہو
پلیسوں کو بلوا کے یہ کہد یا
کہ نوبت خوشی کی بجا دیں تمام
یہ مژدہ جو ہو بچا تو نقار چ

۱۔ خواص۔ وہ مرد یا عورتیں جو مصاحبت کا کام کرتی یا خاص خدمتوں پر متعین ہوتی
تھیں ۲۔ خواجہ سرا۔ ایک قسم کے زنانے جو شاہی محلات میں مختلف خدمات انجام دیتے
تھے ۳۔ مژدہ۔ وہ تھکے جوڑے لوگوں اور بادشاہوں وغیرہ کو بطور پیشکش دیا جائے ۴۔ گزرا
نیاں۔ زبان قدیم ہے آجکل گزرائیں کہتے ہیں ۵۔ شہ بار۔ وہ بادشاہ دوگانہ دور کرت ۶۔ نوبت بچا۔ نقارے
بچنا ۷۔ بادل۔ ایک قسم کا کپڑا جو ریشم اور چاندی کے اردوں سے بنا جاتا ہے نقارچی نیت کیلئے اپنے نقارے پہن کر

<p>ہیسا کر اسباب عیش و طرب شتابی سے نقار و نکوسینک سناںک لگی پھیلنے ہر طرف کو صد کہ دوں دوں خوشی کی خبر کیوں دوں ہوئی گرد و پیش آ کے خلقت کھڑی بنا منہ سے بھر کی لگا اُسہ ساز خوشی سے ہوئے گال گل بھول کے اڑانا لگا بچنے اور سکھڑی سکھڑ سننے والو نکو کہتی تھی سن لگے بھرنے زیل اور کھرج میں بہم کھڑ کئے لگا تالیوں کو بجبا کہ لڑ کے کے ہونیکی توبت ہوئی</p>	<p>بنا ٹھاٹھ نقار خانے کا سب غلات اُن یہ بات چر زر کے ٹانک دیا چوب کو پہلے بم سے بلا کہا زینے بم سے بہر شگوں بجے شاد دیا نے جو داں اُس گھڑی بہم مل کے بیٹھے جو شہنا نواز سروں پر وہ سر سبز مہول کے لگے لینے اور پچھتے خوشی سے نئی محو رو نہیں توبت کی شہنا کی دھن ترشھی اور قرناے شادی کے دم سنی جھانچ نے جو خوشی کی نوا نئے سر سے عالم کو عشرت ہوئی</p>
---	---

لے ٹھاٹ - طور - طریق - طرز - دھوم دھام - سامان - زینت - آرائش ۱۲ لے زیر نچا سُر
 بم اور نچا سُر ۱۳ توبت جو شادی میں بکائی جاتی ہے۔ وہ آواز جو سب باجوں سے مجتمع ہو کر
 نکلتی ہے ۱۴ شہنا نواز - شہنائی بجانے والے ۱۵ سر سبز - گھڑی کے اوپر کا چھوٹا کپڑا
 پکڑی میں لگانے کا ایک زیور ۱۶ اُبج - تان - بول - نئے - سر کو ملا کر گانے دلے
 جو چیز پیدا کرتے ہیں وہ اُبج ہے ۱۷ اڑانا - اڑانا - سکھڑی - سولہ - بندھن دار
 وغیرہ شادی یا تو لڑکے موقع پر گائے جاتے ہیں یہ سب گانے کی چیزیں ہیں۔ بعض کا
 قول ہے کہ اڑانا ایک راگ ہے جو تانہیں کی ایجاد ہے ۱۸ مگور - چانٹ - لگی ضربا
 ۱۹ ترشھی اور قرنا دو باجوں کا نام۔ زیل جڑھا سر - کھرج اتر اسر ۲۰ جھانچ یعنی
 وہ جھانچ جو نقارے کے ساتھ بجاتے ہیں اس میں سے تالی کی آواز بھی
 نکلتی ہے ۱۲ عبدالباری اُسی -

<p>محل سے لگا تا بدیوان عام چلے لے کے ندریں امیر و وزیر دیے شاہ نے شانہزادی کے ناؤں امیروں کو جاگیر لشکر کو زر خواصوں کو جو نکو جوڑے دیے خوشی میں کیا یاں تلک زر نثار کیا بھانڈ اور بھگتیوں نے ہجوم لگا کچنی چونہ پزنی متام جہان تک کہ سازندے تھے ساز کے جہان تک کہ تھے گانگ اور رہت کا لگے بکھنے قانون و بین و رباب</p>	<p>عجب طرح کا اک ہوا از دحام لگے کھینچنے زر کے تو دے فقیر مشائخ کو اور پیر زاد و نکو گاؤں وزیروں کو الماس لعل و گہر پیادے جو تھے انکو گھوڑے دیے جسے ایک دینا تھا بختے ہزار ہوئی آہو آہو مبارک کی دھوم کہاں تک میں لوں زرتکار و بکے نام دھنی دست کے اور آواز کے لگے گانے اور ناچنے ایک بار بہا ہر طرف جوے عشرت کا آب</p>
--	---

۱۔ دیوان عام۔ عام دربار کا مکان۔ از دحام ہجوم بھر ۱۲۔ بھگتیا۔ ساکچا۔ سوانگ
بھرنے والا۔ بھگت باز وہ فرقہ جو گانے والے لوگوں کو تعلیم دیتا ہے ناچنے والے
لوگوں کے سفر داری۔ استاد۔ سازندے ۱۳۔ کچنی۔ گڈرہی۔ گھڑ پڑھی۔ بیڑن۔ بیڑکار
پسب کبیوں کے فرستے ہیں۔ ان میں بیڑن اور گھڑ پڑھی ہندو فرقے ہیں۔ گڈرہی
سب سے اعلیٰ فرقہ ہے ۱۴۔ چونہ پزنی۔ چونے والی۔ ڈونیوں کا ایک فرقہ جو کچ
پیدا ہونے میں گانے کے لیے آتی ہیں ۱۵۔ زرت کار۔ گانے کا فن برتنے والے ۱۶
دھنی دست کے اور آواز کے۔ یعنی ساز بجانے یا گانے والے ۱۷۔ آہی۔
۱۸۔ گانگ۔ گانے والا۔ رہت کار۔ زرت وغیرہ بتانے والا۔ ناچنے والا ۱۹۔
۲۰۔ قانون ایک باب کے نام ۲۱۔ آہی۔
۲۲۔ بین۔ رباب۔ سازوں کے نام۔ رباب۔ رباب۔ رباب
بجانے والا ۲۳۔ آہی۔

<p>لگی تھاپے طبلوں کی مردنگ کی کمانچوں کو سارنگیوں کو بسا لنگاموں تاروں پہ مرجگٹ کے تاروں کے پردے بنا کر درست کئی تابیں کی آساں تک گنگ خوشی کی زبس ہر طرف تھی بساط کناری کے جوڑے چمکتے ہوئے وہ بالے چمکتے ہوئے کان میں وہ گھٹنا وہ بڑھنا اداؤں کے ساتھ</p>	<p>صداد پچی ہونے لگی جنگ کی خوشی سے ہر اک اُنکی ترین ملا ملا سُرطنیوروں کے ایکے ناک کے بجانے لگے سب وہ چالاک و چست اُٹھا گنبدِ چرخ سارا دھک لگے ناچنے اُس پہ اہل نشاط وہ پانٹوں کے گھنگر و چمکتے ہوئے پھر کنا وہ نتھنے کا ہر آن میں دکھانا وہ رکھ رکھ کے چھاتی پہ ہاتھ</p>
--	--

۱۔ تھاپ۔ چاروں انگلیوں کی آواز جو طبلے یا مردنگ سے نکلے۔ مردنگ بکھا دج
۲۔ جنگ وہ باجہ جو بڑی ڈفلی کی صورت میں ہوتا ہے اور اُس میں جھانچ گھنگر و
دغیرہ لگے ہوتے ہیں۔ اس کے بجانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ میں جھلا ہوتا ہے
اور دوسرے ہاتھ سے بجاتے ہیں۔ جھلے والے ہاتھ سے جانٹ کی آواز پیدا
ہوتی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنگ سارنگی قسم کا ایک باجہ ہے ۱۲۔ اسی۔
۳۔ کمانچہ۔ سارنگی وغیرہ بجانے کا گز ۱۲۔ اسی۔

۴۔ تہہ۔ تہہ وہ کھونٹیاں جن سے سار یا سارنگی کے تار درست کرتے ہیں ۱۲۔
۵۔ مرجگٹ ایک باجہ جو منہ میں دبا کر انگلیوں سے بجاتے ہیں ۱۲۔
۶۔ تہہ تاروں کے پردے یعنی سیندری ۱۲۔ اسی۔

۷۔ بایاں وہ طبلہ جو مٹی کی کوٹڑی یا تانبے وغیرہ کے ظرف پر منڈھا ہوتا ہے۔ اور دایاں وہ جو گڑی
کے ڈھانچے پر ہوتا ہے۔ گنگ۔ گنگا کی آواز۔ یہ آواز صرف بایں میں ہوتی ہے اور تھاپا در
جانٹ طبلے میں ۱۲۔ اہل نشاط۔ ناچنے گانے والے ۱۲۔

۸۔ گھٹنا بڑھنا۔ بھاڈ تباتے ہوئے گانے والے کا گئے قدم رکھنا اور پیچھے ہٹنا۔ اس کو
ادا بھی کہتے ہیں آواز کی گھٹ بڑھ چھب ادا۔ گھٹ بڑھ کو چال بھی کہتے ہیں بہتر
چال کی نقل جو تارچ میں کی جاتی ہے وہ ملک کی چال ہے۔ ۱۲۔ اسی۔

نظر سے کبھی دیکھنا بھالنا کبھی اپنی انگلیا کو لینا پھینکا کسی کے وہ مٹھڑے پتھہ کی پھین شفق میں عیاں جیسے شام و صبح جسے دیکھ کر دل کو ہوا اضطراب وہ گردن کے ڈور سے قیامت غضب کبھی چوری چوری سے کرنا نظر کہ پردے میں ہو جائے دل بوٹ پٹ کہ دل ایسے تان کی جان یہ برم جوگ کچھی کے لے پڑ ملو	کبھی دل کو پاؤں سے مل ڈالنا دکھانا کبھی اپنی چھپٹ مسکرا کسی کے چمکتے ہوئے نور تن وہ دانتوں کی سی وہ گلبرگ تر وہ گرمی کا چہرہ کہ جوں آفتاب چمکنا گلوں کا صفا کے سبب کبھی منہ کے تئیں پھیر لینا اوص دوپٹے کو کرنا کبھی منہ کی اوٹ ہر اک تان میں اُن کو ارمان یہ کوئی فن میں سنگیت کے شعلہ زہ
--	---

لے چھب آرایش ناز و انداز ۱۲ سٹک نور بن ایک زبور جو ہار دہر ہار دھا جاتا ہے ۱۲
سٹک گرمی کا چہرہ خوشی کے جوش میں تھانا چہرہ ۱۱ سٹک گردن کے ڈور سے۔ وہ جنبش
جو ناچنے والا گردن کو دیتا ہے اور سر سینے وغیرہ کو اس سے جنبش نہیں ہوتی کہا گیا ہے
کہ یہ ادا بجلی سے لی گئی ہے۔ جیسے کہ وہ شکار کرنے میں گردن کو خفیت اور خوبصورت
جنبش دیتا ہے اسی طرح ناچنے والا بھی کرتا ہے ۱۲ سٹک اوٹ۔ آٹھ ۱۲

۱۲ تان کی جان یعنی تان کا حاصل ۱۲ اسی

۱۲ سنگیت فن رقص کے متعلق ایک چیز جسے بڑے گانے والے اور ناچنے والے
سیکھتے ہیں ۱۲ اسی۔

۱۲ برم۔ جوگ۔ کچھی۔ سواری۔ ہٹ منگل۔ رسول چھب تالا۔ اکنالا۔ آڈا چھب تالا۔ جھومرا۔
ملو ارا۔ چاچر۔ یہ سب تالیں ٹیلے اور پکھا ورج سے جکتی ہیں ۱۲ اسی
۱۲ برم۔ ناچنے والوں کے یہاں چند مٹھڑے ہیں جو پاؤں سے نکالے ہیں ٹیلے اور پکھا ورج
میں اُن کا جواب ہاتھ سے نکالا جاتا ہے ۱۲ اسی۔

<p>کوئی ڈیڑھ گت ہی میں پاؤں تلے کوئی دائرے میں بجا کر پر ن غرض ہر طرح دل کو لینا انھیں کبھی مار ٹھوکر کیں قتل عام کہیں دھڑپت اور گیت کا شور مچا کہیں بھانڈ اور لولیوں کا سماں پتھر اچھاوج گلے ڈال ڈھول محل میں جو دیکھو تو اک ازدحام پری پیکروں کا ہر اک جا ہجوم چھٹی تک غرض تھی خوشی ہی کی بات بڑھا ابرہی ابر میں جوں ہلال برس گانٹھ جس سال اُسکی ہوئی</p>	<p>گھڑی عاشقوں کے دل کو کوسے کوئی دھڑھمی میں جٹا اپنا فن نئی طرح سے داغ دینا انھیں کبھی ہاتھ اٹھالیوں گرتوں کو تھام کہیں قول و قلتانہ و نقش و گل کہیں ناچ کشمیریوں کا دہاں بجاتے تھے اسجا کھڑے باندھ ڈول مبارک سلامت کی تھی دھوم دھام وہاں بھی بڑی عیش و عشرت کی دھوم کہ دن عید اور رات تھی شرب برات محل میں لگا پلنے وہ نو نہال دل بستگیاں کی گرہ کھل گئی</p>
--	---

سہ دائرہ۔ ایک قسم کی بڑی ڈفلی کی طرح ہوتا ہے جس سے پر ن بھرتی ہے۔ ناچنے والے
 گتے پر کی جنبش سے نکالتے ہیں۔ پکھاوج میں ہمیشہ پر ن بھرتی ہے ۱۲ سہ دھڑھمی ایک قسم کی ڈفلی
 خنجر دھڑھمانا زور سے پاؤں زمین پر مارنا اور اس سے آواز نکالنا۔ اس صورت میں
 دھڑھمی بھی پڑھا جاتا ہے۔ بعض نے دھڑھمی بتایا ہے ۱۲ سہ دھڑپت۔ درپردہ اسکو اسکا بھی کہتے
 ہیں۔ یہ صرف چرتالے پر گائی جاتی ہے۔ اس میں تان مڑکی نغمہ نہیں لیا جاتا بلکہ اس میں صرف ہول
 کی پکچ ہوتی ہے ۱۲ سہ قول و قلتانہ۔ وہ چیز جو قوال سچے اپنا گانا شروع کرتے
 وقت گاتے ہیں ۱۲ سہ لونی۔ رنڈی ۱۲ آسی
 ۱۲ کشمیری۔ ایک ناچنے والا فرقہ ۱۲ آسی
 ۱۲ برس گانٹھ۔ سالگرہ ۱۲ آسی

وہ گل جب کہ چوتھے برس میں لگا ہوئی تھی جو کچھ پہلے شادی کی مہم طوائف وہی اور وہی لگے رنگ وہ گل پاؤں سے اپنے جہا چلا لگا پھر نے وہ سر جب پاؤں پاؤں	بڑھایا گیا دودھ اُس ماہ کا اسی طرح سے پھر ہوا داں ہجوم ہوئی بلکہ دہنی خوشی کی ترنگ وہاں آنکھ کو نرگوں نے ملا کیے بڑے آزاد تب اُسکے ناؤں
---	---

۱۷ داستان تیاری میں باغ کی

مے ارغوانی پلا ساقیا دیاشہ نے ترتیب اک خانہ باغ عمارت کی خوبی دروں کی وہ شان چھتیں اور پردے بندھے رنگار کوئی ڈور سے در پہ اٹکا ہوا وہ مقیش کی ڈوریاں سرسبز چتوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال سنسری مغرق چھتیں ساریاں دیے ہر طرف آنے جو لگا	کہ تعمیر کو باغ کی دل چاہا ہوا رشک سے جسکے لالہ کو داغ لگے جس میں زربفت کے سائبان دروں پر کھڑی دست بستہ ہمار کوئی زبہ پہ خوبی سے لٹکا ہوا کہ مہ کا بندھا جس میں تار نظر نگہ کو وہاں سے گزرنا محال وہ دیوار اور در کی گلکاریاں گیا چونکہ لطف اُس میں سما
--	---

۱۷ دودھ بڑھانا۔ بچہ کا دودھ پھرانا ۱۲ سے۔ بڑے۔ نوٹھی غلام ۱۲ سے۔ زہ زوری
کنارہ ہر چہ ۱۲ سے۔ مقیش۔ زری۔ سونے چاندی کے تاروں کا بنا ہوا کپڑا ۱۲۔
۱۷ مغرق۔ جگمگانا۔ چکنا۔ چاندی سونے میں پیا ہوا ۱۲ سے۔ لکاریاں تمام ساریوں کی
جمع۔ اب اس معنی میں اس طرح نہیں لکھے ۱۷ عہ دل چلا۔ یعنی آمادہ ہوا ۱۲ سے

وہ محل کا فرش اسکا پتھر کہ جس
 میں لٹکنے اُس میں روشن مدام
 چھپر کھٹ مرصع کا دالان میں
 زمیں پر بھی اس طور اُسکی بھمک
 زمیں کا کروں وہاں کی کیا مینیاں
 بنی سنگ مرمر کی چوڑی کی تہر
 قرینے سے گرد اُسکے سر ڈھسی
 کہوں کیا میں کیفیت دار بہت
 ہوا ہے بہاری سے گل ایلے
 زمرہ کے مانند سبزے کا رنگ
 روش کی صفائی پہ بے اختیار
 چمن سے بھرا باغ گل سے چمن
 خنبیلی کہیں اور کہیں موتیا
 کھڑے شاخ شبو کے ہر جانشان
 کہیں ارغواں اور کہیں لالہ زار

بڑھے جسکے آگے نہ پائے ہوس
 معطر شب و روز جس سے مشام
 جھکتا تھا اس طرح ہر آن میں
 ستاروں کی جیسے فلک پر چمک
 کہ صندل کا تھا ایک تختہ عیاں
 گئی چار سو اُسکے پانی کی لہر
 کچھ اک دور دور اُس سے سیب بھی
 لگائے نہیں تاک دال سے پرست
 چمن سارے شاداباں و رڈھ ہے
 روش پر جو اہر لگے جیسے سنگ
 گل اشرفی نے کیا زرنشہ
 کہیں زگرے گل کہیں یاسمن
 کہیں رے بیل اور کہیں موگرا
 مدن بان کی اور ہی آن بان
 جدی اپنے موسم میں سب کی بہار

۱۲ لکھ نوری خوشبودار تیاں وغیرہ ۱۲ لکھ پھر کھٹ مرصع کا رچہ ۱۲ بڑی مسہری ۱۲
 ۱۲ چوڑی کی تہر چار خاں دار چار طرفت ہینے والی ۱۲ سنگ سر ڈھسی سیدھا سر ۱۲
 ۱۲ دار بہت - انگور وغیرہ کی بیل چڑھانے کی ٹٹی ۱۲ لکھ لہما - شاداب ۱۲
 ۱۲ لکھ ڈھڈا - سر سبز شاداب ۱۲ لکھ ایک لکھ کاگل اندو پھول ۱۲ لکھ یاسمن خنبیلی ۱۲
 ۱۲ مدن بان - پینے کی قسم کا ایک پھول ۱۲ لکھ ارغواں - سرخ رنگ کا
 ایک پھول ۱۲ - عبدباری آسی

سماں شب کو داؤ دیوں کا کہیں
ہر اک گل سفیدی سے ہتھاپار
کہے تو کہ خوشبو یوں کے پہاڑ
عجب رنگ پر زعفرانی چمن
کریں قمریاں سرو پر چھچھ
اُسی اپنے عالم میں منہ چو منہ
نشے کا سا عالم گستاں پر
چمن کو لگیں دیکھنے بھائیں
پنیر پی جمادیں کہیں کھو دکر
رہیں ہاتھ چوں مست گردن میں ال
اکڑنا کھڑے سرو کا جھنڈہ
دماغوں کو دیتی ہر اک گل کی بو
لیے ساتھ مرغابیوں کے پرے
درختوں پہ لگے منڈیوں پہ مور
ہوا کے سبب باغ جھکا ہوا
پڑے ہر طرف مولسے لوتے پھول

کہیں جعفری اور گیند کہیں
عجب چاندنی میں گلوں کی بہار
کھڑے سرو کی طرح چنے کے جھاڑ
کہیں زرد نسریں کہیں نسترین
پڑی اکب جو ہر طرف کو بے
گلوں کا لب نہر پر جھوہ منا
وہ جھک جھک کے گزنا خیابان
لیے ہاتھ میں سیلچے مالتیں
کہیں تخم پاشی کریں گود کر
کھڑے شاخ در شاخ باہم نال
لب جو پہ آئینے میں دیکھ قد
خراں صبا صحن میں چار سو
کھڑے نہر پر قاز اور قرقشے
صد اقرقروں کی بطونکا وہ شور
چمن آتش گل سے دھکا ہوا
صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے بھول

سلا ایک قسم کا زرد گیند سے کا پھول۔ بعض گیند اور بعض جعفری و اشرفی کو ایک جانتے ہیں۔
سلا داؤدی ایک قسم کا زرد اور سفید رنگ کا پھول اس کو گل داؤدی بھی کہتے ہیں۔
سلا نسرین ایک پھول جسے مشکبہ بھی کہتے ہیں۔ ۱۲ سلا نسترین ایک پھول جس کو
سیدوئی بھی کہتے ہیں۔ ۱۳ سلا خیابان۔ باغ کے بیچ کا راستہ۔ کیا ری ۱۴ سلا چھوٹی پور ۱۵
سلا جب دتب مراد گاہ بیگاہ ۱۶ سلا قاز۔ دریائی ہلا ۱۷ سلا قرقرا ایک آبی پتہ ۱۸ سلا

<p>وہ کیوں کی اور مولسرت کی چھاؤں خوشی سے گلوں پر سد ابلیلیں درختوں نے برگوں کے کھوئے در سماں قمریاں دیکھ اس آن کا دوا دایاں اور مغلیاں خواصوں کا اور لونڈیوں کا ہجوم حکمت کے پہنے پھر سب لباس کینیاں ہر د کی ہر طرف ریش گلیں کوئی اور کوئی شام روپ کوئی کیتلی اور کوئی گلاب کوئی سیوتی اور سنس مکھ کوئی ادھر اور ادھر آیتاں جایتاں کہیں اپنے پیٹے سداے کوئی</p>	<p>لگی جائیں آنکھیں لیے جسکا ناتوں نوشق کی آپس میں باتیں کریں کر لیں طوطیاں بوستاں کا سبق پڑھیں باب پنجہم گلستاں کا پھر ہر طرف اس میں جلوہ کنا محل کی وہ چلیش وہ آپس کی مضموم رہیں رات دن شاہزادے کے پاس چنبیلی کوئی اور کوئی رے بیل کوئی چیت لگن اور کوئی کام دیا کوئی مہرتن اور کوئی ماہتاب کوئی دل لگن اور تن سکھ کوئی پھر اپنے جوبن کو دکھلاتیاں ارٹنی اور تری کہہ پکارے کوئی</p>
--	---

۱۷ لکھ لگنا نیند آنا ۱۲ لکھ دوا و عورت جو بچوں کی خدمت پر مقرر ہو ۱۲ لکھ والی جنائی
وہ عورت جو میکے سے عروس کے ساتھ خدمت کرنے کے لیے آئی ہے ۱۲ لکھ مغلیاں وہ
عورت جس کے سپرد سینے پر دے کی خدمت ہو ۱۲ لکھ خواص ممتاز خدمتگار عورتیں
مصاحبت کرنے والی عورتیں ۱۲ لکھ لونڈی باندی ۱۲ لکھ چل مینی مذاق ۱۲ لکھ بیل
ہجوم بھڑ ۱۲ لکھ چنبیلی رے بیل چنپا وغیرہ نام اس قسم کی عورتوں کے ہوتے ہیں جو امرا
کی خدمتگاری میں رہتی ہیں ۱۲ لکھ یہ بھی عورتوں کے نام ہیں اس کے بعد کے دشواری
میں بھی نام ہیں ۱۲ لکھ آیتاں جایتاں دکھلاتیاں یہ سب عین ہیں اب اس طرح نہیں ہوتے
۱۲ لکھ پٹے تراشے ہوئے بال دئی میں ہائے خلوت کے ساتھ ہوتے ہیں ۱۲ لکھ ادی اور تری زبان عام خیال

۱۲

کہا کرتے کہیں اور کہیں گالیاں
کہیں ہوسے ری اور کہیں اچھے
کہیں سوت بولے کہیں تار توڑ
دم دوستی کوئی بھر بھر جیے
کوئی نہریہ پاؤں بیٹھی ہلاے
کوئی اپنی دینا پہ رکھے نظر
کوئی جان کو اپنی وارے کہیں
اداسے کہیں بیٹھی گنگھی کرے
بیوں پر ڈھڑی کوئی اپنے جہاے
اسی باغ میں تھا ڈھڑی سرواں
یہ سب واسطے اُسکے آرام کے
پدر اور مادر کی شفقت کے ساتھ
ہوا اچھے اٹھیں شادیوں کا سماں
ہر اک فن کے استاد بیٹھے قریب
پڑھانے لگے علم اُس کو تمام
کئی سال میں علم سب پڑھ چکا

کہیں چکیاں اور کہیں تالیاں
بجاتی پھرے کوئی اپنے کڑے
دکھا دے کوئی گوگھر ڈھوڑ موڑ
اداسے کوئی بیٹھی حقہ پیے
کوئی حوض میں جا کے غوطہ لگاے
کوئی اپنے طوطے کی لیوے خبر
کسی کو کوئی دھول مارے کہیں
کوئی آرسی اپنے آگے دھرے
مقابہ کوئی کھول مسی لگاے
ہوا اُن گلوں سے دو بالا سماں
غرض لوگ تھے یہ جو ہر کام کے
پہلا جب وہ اس ناز و نعمت کے ساتھ
ہوئی اُسکے کاتب کی شادی عیال
معلم اتالیق منشی ادیب
کیا قاصد سے شروع کلام
دیا تھا زبیں حق نے ذہن رسا

۱۲ سالہ واپس چلا گیا۔ ۱۳ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۱۴ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۱۵ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۱۶ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۱۷ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۱۸ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۱۹ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۲۰ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۲۱ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۲۲ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۲۳ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۲۴ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۲۵ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۲۶ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۲۷ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۲۸ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۲۹ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۳۰ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۳۱ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۳۲ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۳۳ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۳۴ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۳۵ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۳۶ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۳۷ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۳۸ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۳۹ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۴۰ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۴۱ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۴۲ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۴۳ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۴۴ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۴۵ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۴۶ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۴۷ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۴۸ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۴۹ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۵۰ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۵۱ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۵۲ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۵۳ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۵۴ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۵۵ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۵۶ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۵۷ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۵۸ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۵۹ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۶۰ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۶۱ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۶۲ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۶۳ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۶۴ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۶۵ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۶۶ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۶۷ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۶۸ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۶۹ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۷۰ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۷۱ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۷۲ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۷۳ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۷۴ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۷۵ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۷۶ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۷۷ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۷۸ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۷۹ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۸۰ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۸۱ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۸۲ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۸۳ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۸۴ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۸۵ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۸۶ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۸۷ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۸۸ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۸۹ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۹۰ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۹۱ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۹۲ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۹۳ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۹۴ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۹۵ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۹۶ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۹۷ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۹۸ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۹۹ سالہ کو کھڑا کیا۔ ۱۰۰ سالہ کو کھڑا کیا۔

✓	معانی و منطق بیان و ادب
✓	✓ خبردار حکمت کے مضمون سے
✓	✓ لکھا ہیئت و مہندسہ تا سچو ہم
+	✓ کیے علم نوک زباں حرف حرف
	عطار دگو آنے لگی اس کی ریس
	ہوا جبکہ نو خط وہ شیریں رقم
	لیا ہاتھ جب قائم مشک بار
	عروس المخطوطہ اور ثلث ورقاع
	شکستہ لکھا اور تعلیق جب
	کیا خط گلزار سے جب فراغ
	کروں علم اسکا کہانک بیان
	کہاں کے چور پے ہوا بے نظیر
	صفائی میں سونوار پیکان کیا

۱۱۔ منقول علم حدیث وغیرہ۔ منقول منطق فلسفہ وغیرہ۔ ۱۲۔ قانون قاعدہ اور ایک کتاب کا نام ہے۔
 ۱۳۔ علی سینا کی تصنیف ہے کہ ہیئت و علم ہیں اجماع فلکی اور گردش زمین وغیرہ کا بیان ہوتا ہے۔ ۱۴۔ مہندسہ
 اور علم ریاضی ۱۵۔ نجوم جو ش ۱۶۔ خط و نقشہ۔ ایک علم کا نام ۱۷۔ صورت۔ خرچ ایک علم کا نام ۱۸۔
 شہ عطار دینک تارہ جیسے منشی فلکس بھی کہتے ہیں ۱۹۔ گیس۔ حوص ۲۰۔ سادہ لوحی بکولابین۔
 بہارہ ایوبین اور امردی کے زمانے سے ہے ۲۱۔ خط و خط۔ سبزہ آغاز ۲۲۔ شیریں رقم بہتر زمین
 خوشنویسوں کا خطاب ہوتا ہے ۲۳۔ نسخ۔ ریگان خط غبار۔ عروس المخطوطہ خط ثلث نام۔ ورقاع۔
 خط شکستہ یہ سب خطوں کے نام ہیں جن کی تفصیل خوشنویسی کے کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے ۲۴۔
 ۲۵۔ چلچالیں دن و ندرت گوشتہ کہان کا حلقہ جس کو چڑھا کر کہاں کھینچتے ہیں ۲۶۔ سونوار پیکان
 وہ سونوار یا خاکشاہ جیسے گز میں جس طرح سے کہان میں رکھتے ہیں اس جانب بتاتا ہے اور راستے
 چلائے وقت چلے میں رکھ کر کھچھڑاتے ہیں ۲۷۔ عبد الباری آہی۔

دعا کی

تہ

کیا اپنے قبضہ میں سب کا فن
اگر اسی نگین ہاتھ میں گھایا
کیسے قید سب اسے اتھو نہیں تال
رکھے رنگ سب اس کے مد نظر
کہ حیراں ہوے دیکھ اہل فرنگ
مروت کی خواہمیت کی چال
سدا قابلوں سے تھی صحبت اسے
ہر اک فن میں سچ سج ہوا جیظیر

رکھا چھوٹے ہی جو لکڑی پہ سن
ہوئیں دست و بازو کی سرسایاں
رکھا موٹے پہ جو کچھ کچھ خیال
طبیعت گئی کچھ جو تصور پر
کئی دن میں سیکھایہ کسب تفنگ
سوا ان کمالوں کے کتنے کمال
رذلوں سے نفروں سے نفرت اسے
کیا نام پر اپنے وہ دلپذیر

دراستان سواری کی تیاری کے حکم میں

جوانی پہ آیا ہے ایام گل
کہ گل پنج روزست در بوستاں
نشاہی سے بولے جو کچھ ہو سکے
یہاں چرخ میں ہو خزان و بہار
کھلی گچھڑی غم کے جنجال کی
کہ ہوں صبح حاضر بھی خاص عام

پلا ساقیا مجھ کو اک جام مکی
غنیمت شمر صحبت دوستاں
خیرے بھلائی کا گر ہو سکے
کہ رنگ چین پر نہیں اعتبار
پڑی جب گرہ بارھویں سال کی
کہا شہ نے یو القیبول کو شام

۱۷ سالہ کا لڑکا جس کا نام ۱۷ سالہ سرسائی سرپر دار کرنا ۱۷ سالہ گھایاں اڈانا۔ پے ہاروں کی مصلح
ایک قسم کی ضرب میں جو باہر مشق میں لگاتے ہیں ۱۷ سالہ علم موسیقی گانے بجانے کا فن ۱۷ سالہ گانے بجانے
کا وزن ۱۷ سالہ روزے اور نوک چھوٹے دورے کے کہتے آہنی ۱۷ سالہ دستوں کی صحبت کو قیمت جان۔
کیونکہ بھول یاغ میں بہت کم مدت تک رہتا ہے ۱۷ سالہ چرخ۔ دورہ۔ گردش ۱۷ —
۱۷ سالہ گچھڑی۔ گچھڑی ۱۷ سالہ

سوار کی مہکلت سے تیار ہو کریں شہر کو دل کے آئینہ بند رعیت کے خوش ہوں صغیر و کبیر یہ فرما محل میں گیس بادشاہ ہوئی شب لیامہ نے جام شراب خوشی میں گئی جلد شب جو گذر عجب شب تھی وہ جوں سحر و پید گیا مزدہ صبح لے ماہتاب گماشاہ نے اپنے فرزند کو	ہیا کریں جو کہ درکار ہو سوار کی کا ہو لطف جس سے دو چہر کہ نکلے گا کل شہر میں بے نظیر نقیبوں نے سن حکم کی اپنی راہ گیا سجدہ شکر میں آفتاب ہوئی سامنے سے نمایاں سحر عجب روز تھا مثل روز امید اٹھا سورج آنکھوں کو ملتا شتاب کہ بابا نہاد دھوکے تیار ہو
---	---

۱۱ داستان حمام میں نہانے کی لطافت میں

پلا آتشیں آب پیرمغاں اگر چاہتا ہے مرے دل کو چین کہ دور ت مرے دل کی دھو سا قیام کہ نہ گرم حمام ہے بے نظیر ہوا جبکہ داخل وہ حمام میں تن ناز میں نم ہوا اس کا گل پرستار باندھے ہوئے لنگیاں	کہ بھوے مجھے گرم دسر دجاں نہ دینا وہ سا غم جو ہو قاتلین ذرا شیشہ مے کو دھو دھا کے لا گیا ہے نہانے کو بد زمین عرق آگیا اُس کے اندام میں کہ جی طرح ڈوبے ہوش بنم میں گل مہ و ہر سے طاس لیکر دیاں
---	---

آئینہ بندی اس طرح کی جاتی ہے کہ بایک جھوٹے آئینے لگائے ہیں ۱۱۔

شاہ قلیتین - ہزارا کھوڑا ۱۲۱ آئی

اگلیں ملنے اُس گلبدن کا بدن
 نہانے میں یوں تھی بدن کی دمک
 یوں پر جو پانی پڑا سر بسر
 ہوا نظر آ آب یوں چشم بوس
 لگا ہونے ظاہر جو اعجاز حسن
 گہا حوض میں جو شہ بے نظیر
 وہ گورابن اور بال اس کے تر
 مٹی سے تھا بالوں کا عالم عجیب
 کہوں اس کی خوبی کی کیا تھے بات
 زمین پر تھا اک موجد نور خیز
 زمر کے لے ہاتھ میں سنگت پا
 ہنسا کھلکھلا وہ گل نو ہزار
 عجب عالم اُس ناز میں پر ہوا
 ہنسا اس ادا سے کہ سب نہ پٹے
 دعائیں لگے دینے بے اختیار
 کہ تیری خوشی سے جو سب کی خوشی
 نہ آدے کبھی تیری خاطر پہ میل

ہوا ڈھل ہا آب سے وہ چمن
 برنے میں بجلی کی جیسے چمک
 نظر آئے جیسے وہ منہ رنگ تر
 کے توڑ پڑے جیسے زنگ پر اوس
 ٹپکنے لگا اُس سے اذنا حسن
 پڑا آب میں عکس ماہ منیر
 کے تو کہ سادہ کی شام و سحر
 نہ دیکھی کوئی غور تر اس سے شب
 کہ جوں بھیگتی جائے صحبت میں رہا
 ہوا جب وہ نوارہ سال آبر پر
 کیا خادموں نے جو آہنگ پیا
 کیا کھینچ پاؤں کو بے اختیار
 اثر گدگی کا جس میں پر ہوا
 ہو جی سے قرباں چھوٹے بڑے
 کہا خوش رکھے تجھ کو پروردگار
 مبارک بگھر روز شب کی خوشی
 چمکتا رہے یہ فلک کا سہیل

۱۵۷۵ء ڈھل ہا سر ہر رنگ کی چمک دمک ایک قسم کی خاص چمک ۱۲ رات بھگنا رات کا تہیالی ٹھہ
 گزرنے کے بعد کچھ خشکی ہو جاتی جو اسی کو رات بھیگنا کہتے ہیں ۱۵۷۵ء سنگ پار جھانواں ۱۲ گھنٹہ آہنگ
 ارادہ ۱۵۷۵ء ایک تہا جس کے نکلنے کی خاصیت سے زمین میں چڑا خوشبودار ہو جاتا ہے ۱۲ مئی

<p>جھلک جبکی ہر ہر قدم پر پڑے وہ نوبت کہ دروٹھا کا جیسے سماں سہانی وہ نوبت کی اُس میں صدرا قدم با قدم بالباس زری چلے آگے آگے لے شاد کام جلو میں تمامی امیر اور وزیر شہ و شاہزادے کو گزرانیاں چلے سب قریب سے اپنے قطار لباس زری میں ملیں تمام کچھ ایدھر او دھر کچھ دیکھ پڑے کہ خوبی میں روح القدس سے دوچند بھلکے وہ مقیش کے سائبان</p>	<p>وہ ہاتھ نہیں سونے کے ہوئے کٹے وہ ماحی مراتب وہ سرور وال وہ شہنشاہوں کی صد خوشنما وہ آہستہ گھوڑوں پہ نقارچی بجائے ہوئے شاد دیا نے تمام سوار اور پیادہ صغیر و کبیر وہ نذریں کہ جس نے تھیں کھانیاں ہوئے حکم سے شاہ کے پھر سوار سب سے اور سب سے سبھی خاص عام طریق کے طرق اور پرے سے پرے مرصع کے سازوں سے کوئی سمند وہ فیلوں کی اوڑیگ ڈنبر کی شان</p>
---	---

لے اسی مراتب وہ اعزازی نشان جو بادشاہوں کی سواری کے آگے لے کر چلتے ہیں ۱۲۰ قدم با قدم
قدم سے قدم ملائے ہوئے ۱۲۰ جلو پہلوی ساتھ ۱۲۰ لباس پہنے ہوئے ۱۲۰ شہ طرق سے رکو
برساں بارہ لنگ ہیں جو اہتمام سواری کرتے ہوئے آگے چلتے ہیں بقیہ وغیرہ باجموع سے مراد جو ۱۲۰
شہ فرسے - او دھر ۱۲۰ شہ پرے اُس طرف ۱۲۰ او دھر ۱۲۰ کول وہ بجا ہوا گھوڑا جو خالی سواری
کے ساتھ ساتھ تھیں نہ زمین کے لیے چلتا ہے ۱۲۰ روح القدس حضرت جبریل ۱۲۰ میگڈنبر
ایک قسم کا لکڑی کا مکان جس میں شاہزادہ او دھر سفر کرتے تھے اس مکان میں قلابے لگے ہوتے
تھے جو ہاتھوں کی زنجیروں سے بندھے ہوتے تھے یہ مکان ہاتھی لے کر چلتے تھے اور اس
غرض سے نہ کرکست نہ ہو سیکڑوں کو رسیچے سے اُس کو اٹھائے ہوتے تھے نہیں کی طرح
اُس میں ڈنڈ لگے ہوتے تھے ۱۲۰ اسی

چلے پائے تخت کے ہو قریب
سواری کے آگے بے اہتمام
نقیب اور جلوہ دار اور چو بدار
اسی اپنے معمول و دستور سے
یلا توجہ انو پڑھے حمایو
بڑھے جائیں آگے سے چلتے قدم
غرض اس طرح سے سواری چلی
تاشا کیوں کا جدا تھا جھوم
لگا قلعے سے شہر کی حد ملک
منڈھے تھے تاجی سے دیوار و در
کیا تھا زمیں شہر آئینہ بند
رعیت کی کثرت جھوم سپاہ
بہوے جمع کوٹھوں پہ جوں مردوزن
یہ خالق کی سن قدرت کا ملہ
لگانچ سے تاضیف و نحیف
و خوش و طیور و ملک بے خلل
تہ پہونچا جو اک مرغ قیدہ نا

نہرک طوطی کی ایک

بدستور شاہانہ نپتے جریب
لیے سونے روپے کے عاصی تمام
یہ آپس میں کہتے تھے ہر دم پکار
ادب سے تفاوت سے اور دوسرے
دو جانب سے بانگیں لیے آئیں
بڑھے عمر و دولت قدم با قدم
کہے تو کہ باد بہاری چسلی
کہ ہر طرف تھی لاکھ عالم کی دھوم
دوکانوں پہ تھی بادے کی چمک
تمامی تھا وہ شہر سونے کا گھر
ہوا چوک کا لطف و ادا چارہ بند
گزرتی تھی رُک رُک کے ہر جانکا
ہر اک سطح تھی جوں زمین چمن
تماشے کو نکلی دینِ حاملہ
تماشے کو نکلی وضع و شریف
پڑے آشیانوں سے اپنے نکل
سو وہ آشیانے میں تڑپا کیا

۱۰ عاصی عاصی چہارہ دگر جو سونے چاندی کے خول پڑھے ہوئے عاصی لکڑیاد شاموں کے آگے
چلتے تھے ۱۱ تہ بلانوینی پہلو انو ۱۲ تہ تاجی ایک تہی کپڑ کا نام نامی نمبر ۱۳ تہ کل سب ۱۴ تہ قیس لانی انو
۱۵ تہ لوگ ۱۶ تہ خوش خوش کی جمع ۱۷ تہ طیور طیر کی جمع ۱۸ تہ مرغ قیدہ ۱۹ تہ اردہ کوئی جو قیدہ نا
۲۰ تہ ہر تہ ہر تہ قیدہ ۲۱ تہ مرغ قیدہ ۲۲ تہ

دہلی

زبیں شاہزادہ بہت تھا حسین
نظر جسکو آیا وہ ماہ تمام
دعا شاہ کو دی کہ بار اکہ
یہ خوش اپنے مہ سے رہے شہریار
عرض شہر سے باہر اک سمت کو
گھڑی چار تک خوب سی سیر کر
اسی کثرت فوج سے ہو سوار
سواری کو پہونچا گئی فوج اُدھر
جہان شک کہ تھیں خادمان محل
قدم اپنے جھروں سے باہر نکال
بلا کیں لنگیں لینے سب ایک بار
گیا جب محل میں وہ سردرواں
پہر رات تک پہنے پوشاک وہ
قضا را وہ شب بھتی شب چار وہ
نظارے سے تھا اسکے دل کو سرد
عجب لطفت تھا سیر متاب کا
ہوا شاہزادے کا دل بھرا
کہ آئی جو اس مہ کے جی میں رنگ
خواہموں نے ہا شاہ سے عرض کی

ہوے دیکھ عاشق کہیں وہیں
کیا اُس نے بھک بھک کے اسکو سلام
سدا یہ سلامت رہے ہر وہاہ
کہ روشن رہے شہر پر در و کار
کوئی باغ تھا شہ کا اُس میں سے ہو
رحمت کو دکھلائے اپنا پیر
پھر اشہر کی طرف وہ شہریار
گئے اپنی منزل میں شمس دستار
خوشی سے وہ ٹیوڑھی تک ایں محل
کیا سب نے آپیشوا حال حال
کیا جی کو یک دست سب نے نثار
بندھانا ج اور راگ کا وال سماں
رہا ساتھ سب کے طرباک وہ
پڑا جلوہ لیتا تھا ہر طرف مہ
عجب عالم نور کا تھا ظہور
کہ تو کہ دریا تھا سیاہی کا
یہ دیکھی جو واں چاندنی کی بہار
کہا آج کو ٹھٹھے پہ بچھے پلنگ
کہ شہزادے کی آج یوں ہو خوشی

اور جو شہنشاہی حوالہ ہے جلد ۱۲ ص ۱۲۱ کے ساتھ ہے اس کے ساتھ ہے جلد ۱۲ ص ۱۲۱ کے ساتھ ہے

<p>اورادہ ہے کوٹھے پہ آرام کا گھما شرنے اب تو گئے دن ٹھکل پرانا ہو اُس سے خبردار ہوں لب جام پر جب وہ سولے صنم تھارا مرا بول بالا رہے کہا تب خواصوں نے حق سے امید پھر میں حکم لے واں سے پھر شاہ کا فضا را وہ دن تھا اسی سال کا سخن مولوی کا یہ سچ ہے قدیم پڑے اپنے اپنے جو سب پیش بیچ یہ جانا کہ یوں رہے گا یہ دور کہ اس بے وفا کی نئی ہی ترنگ کہ آبادہ پیش در جام رخت بد آرزئی تعجب ز نیرنگ دہر</p>	<p>کہ بھایا ہے عالم لب باس کا اگر یوں ہی مضمی تو کیا ہی خلل جنھو کی ہو چوکی وہ پیدار ہوں کہیں سورہ نور کو اُس پہ دم یہ اس گھر کا قایم اجالا ہے یہی ہی کہ ہم بھی نہیں رو سپید بچھونا وہیں جا کیا ماہ کا غلط وہم ماضی میں تھا حال کا کہ آگے وقتا کے ہوا اتنی حکیم نہ سمجھے زمانے کی کچھ انج بیج زمانے کا سمجھا آنھوں نے نہ ظو یہ گر گٹ بدلتا ہی ہر دم میں رنگ کہ صد شام برفرق صبحش نہ رینگ کہ آہ و زیک حقہ تراک و زہر</p>
---	---

داستان شاہزادے کوٹھے پر سوئی اور پئی کے گڑا اٹھائی

شہابی۔ ۱۷ اٹھ ساتی ستمبر کہ چاروں طرف ماہ ہو جلوہ گر

۱۷ مارچ ۱۷۸۵ء اولیالہ موت آبرو و عروج ۱۷۸۵ء مقلو لانا روم سے چون قضا کی تعلیم پایہ شہود ۱۲
تھو آسمان نے کسی کے پیائے میں شہر پائش دی ہے کہ اس کی بیعت کے سر پر شاہیں نہیں ڈالیں یعنی
اس کو شکست نہیں پہونچائی ۱۷۸۵ء قوزانے کیائیرنگی سے بچا کر نکالا یہ ایک ہی ذہن و زبان
افروزہر لکھا ہے ۱۲۔ اسی

کہ آیا بسندی پر ماہ تمام
مثل ہو کہ ہے چاندنی چار دن
تو پھر جانو یہ کہ اندھیر ہے
کہ سینہ تنوں کو ہوتیں پر امنگ
کہ تھے رشک آئینہ صاف کے
کہ ہو چاندنی جس صفا کی خلاف
کہ بچھڑوں میں تھے جسکے موتی لگے
کہ تھل کو ہو جسکے دیکھے سے شرم
جسے دیکھ آنکھوں کو آرام آئے
کہ ہر وجہ تھی انکو خوبی میں راہ
تو رخسار رکھ اسیہ سوتا تھا وہ
دیئے تھے لگا اُسکے کھڑے کو چاند
کہ جیسے ہوں دشمنوں کے ایک سے
بچھونے پہ آتے ہی وہ سو رہا
رہا پاساں اُس کا بدر منیر
لگا دی ادھر اُس نے اپنی نگاہ
غرض داں کا عالم دو بالا ہوا

بلواریں گلاریں میں تھے پھر کے جام
جو انی کہاں اور کہاں پھر یہ سن
اگرے کے دینے میں کچھ دیر ہے
وہ سونے کا جو تھا جڑاؤ پلنگ
سراسر اولہ تھے زہری بان کے
کچھی چادر اک اُپسہ بنم کی صاف
کے اُس پہ کئے وہ مقیش کے
دھڑے اُس پہ کیے کئی نرم نرم
کہا ننگ کوئی انکی خوبی کو پائے
وہ گل تیکے اُسکے جو تھے رشک ماہ
کبھی نیند میں جبکہ ہوتا تھا وہ
پچھائے سے ہوتا نہ حسن اسکا ماند
ہوئی دونوں کے حسن کی ایک جہت
زین نیند میں تھا جو وہ ہو رہا
وہ سو یا جو اس آن سے بے فیل
ہوا اُسکے سونے پہ عاشق جو ماہ
وہ مہ اُسکے کوٹھے کا ہالہ ہوا

۱۱۔ اچھے صاف نیند چادر جس کے کناروں پر کام ہوتا ہے اور بچھانے کے کام آتی ہے ۱۲۔ اچھے
ایک باریک کپڑا ۱۳۔ پلنگ کسے کی دُوری کسے بج ۱۴۔ ایک تہم کا پھندا نا۔ گچھا ۱۵۔
۱۶۔ ایک تہم کے چھوٹے گول تیکے جو رخسار کے نیچے رکھے جاتے ہیں ۱۷۔ جوت۔ روشنی۔ اجمالاً ۱۸۔ کسی

جوانی کی نیند اور وہ سونے کا رنگ
 ہوا جو چلی سو گئے ایک بار
 مگر جاگتا ایک مہتاب تھا
 بڑی شاہزادے پر اسکی نظر
 جلا آتش عشق سے اسکا تن
 وہ تخت اپنا لائی ہوا سے آثار
 منور ہے سار ازمیں آسماں
 دیا گال سے گال اپنا ملا
 و لیکن جیانی کہا اُس کو بس
 کہ بے طبعی اسکا امانت پلنگ
 وہاں سے اُسے لے اڑی دریا
 ہوا میں ستارہ سا چمکا دو چند
 بے شیر جس طرح سے جوش کھا
 کہ اُس مہ کا پڑنچا فلک پر دماغ
 اڑا کر وہ اُسکو بہستان میں
 زمانے کی جیسے بہت دہلیز

وہ بھولوں کی خوشبو وہ تھرا بلنگ
 ہوا شک کہ جو کی گئے تھے بارہی دار
 غرض سب کو وہاں عالم خواب تھا
 خضرا ہوا اک پری کا گذر
 بچہ کا ساد بکھا جو اُس کا بدن
 ہوئی حسرت پر اُسکے جی سے تار
 جو دیکھا تو عالم عجب ہے یہاں
 دوپے کو اُس مہ کے منہ سے اٹھا
 اگر یہ ہوئی تھی زیادہ ہوس
 مے عشق میں پھر یہ سو بھی رنگ
 محبت کی آئی جو دل میں ہوا
 ہوا جب زمیں سے وہ شعلہ بلند
 شب میں وہ یوں نہیں سے اٹھا
 جیسے رشک سے اُسکے شمع و چراغ
 غرض لے گئی آن کی آن میں
 کبھی دل رہے خوش کبھی درمند

داستان حالت تباہ کرنے کی شاہزادے کی غائب ہونے

شہابی مجھے ساقیادے شراب کہ یہ حال سن کر ہوا دل کباب

سہ باری دار خبردار پھرہ جو کی دینے والے ہاں بھوکا آگ کا شعلہ ہا آسی۔

ہیاں کا تو قصہ میں چھوڑا ہیاں
 کروں حال جہاں زردوں کا رقم
 کھلی آنکھ جو ایک کی داں کہیں
 نہ ہے وہ پلنگ اور نہ وہ ماہر و
 رہے دیکھ یہ حال حیران کار
 کوئی دیکھ یہ حال روسنے لگی
 کوئی بیلانی سی پھر نے لگی
 کوئی سر پہ رکھ ہاتھ دیکھ ہو
 کوئی رکھ کر دیر دیکھ ال پھڑی
 رہی کوئی آنکھ کی گودا تو نہیں داب
 کسی نے دیے کھول سنبل سے بال
 نہ بن آئی کچھ اُن کو اس کے سوا
 سنی شہ نے القصہ جب یہ خبر
 کیجھ پکڑاں تو بس رہ گئی
 ہو اگم جو یوسف پڑی یہ جو دھوم
 کہا شہ نے داں کا مجھے دو پتا
 گئیں بے وہ شہ کو لب بام پر
 یہی تھی جگہ وہ جہاں سے گیا
 مرے نوجواں میں کہاں جاؤں پیر
 عجب بحر غم میں ڈبویا ہمیش

ذرا اب سنو عمر دوں کا بیان
 کہ گذرا جدائی سے گیا اُنپہ غم
 تو دیکھا کہ وہ شاہزادہ نہیں
 نہ وہ گل ہی اُسچاندہ اُس کی بو
 کہ یہ کیا ہوا اب پروردگار
 کوئی غم سے جی اپنا کھو سنے لگی
 کوئی ضعف کھا کھائے گرنے لگی
 گئی بیٹھ ماتم کی تصویر ہو
 رہی نرس اس کھڑی کی کھڑی
 کہی نے کہا گھر ہوا یہ خراب
 طابچوں سے جوں گل کیے سرج گال
 کہ کہی یہ احوال اب شہ سے جا
 گرا خاک پر کہی کے پاس پسر
 کلی کی طرح سے بکس رہ گئی
 کیا خادماں محل نے ہجوم
 عزیز و جہاں سے وہ یوسف گیا
 دکھایا کہ سوتا تھا یہاں سمجھ
 کہا بے بیٹا تو یاں سے گیا
 نظر تو نے مجھ پر نہ کی بے نظیر
 غرض جان سے تو نے کھویا ہمیش

ترقی پہ ہر دم تھا شور و فغاں
تلی کی زمیں ساری اوپر ہوئی
رہی تھی جو باقی وہ دوستے کٹی
قیامت کا دن تھا نہ تھی رات وہ
اڑانے لگے مل کے سب سب خاک
کہ غائب ہوا اس چین سے وہ گل
ہو اباغ سارا وہ ماتم سرا
نظر پھول آنے لگے داغ سے
اڑانے لگیں قسریاں سر پہ بول
تو کو گو سے آنے کی جگر تک بھنے
مگر لگ کے پاؤں ہوئے پامال
گلوں کا جگر درد سے پھٹ گیا
ہوا غم سے ازیں اہولی کے بھول
ہوئے بال سنبل کے ماتم کی شب
گل اشرفی کا ہوا رنگ زرد
دیا خاک میں پھینکے عشرت کا جام
ہوئے نخل ماتم تمامی درخت
پوشے سے سارے سارے پوش ہو
وہ بل بل کے ملے تھے آب میں ہاتھ

کروں اس قیامت کا کیا میں بیاں
لب بام کثرت جو یکسر ہوئی
شب ادھی وہ جس طرح سوتے کٹی
عجب طرح کی شب تھی ہیبت وہ
سحر نے کیا جب گریباں چاک
اٹھا شہر میں ہر طرف شور و غل
غم و درد سے دل جو سب کا بھرا
گیا جبکہ وہ سرو اس باغ سے
اڑنا لگے سرو سب اپنا بھول
صد اہو کوئی انھوں کی سنے
ہوئے خشک در زرد سائے نہال
تیرانے سے بلبل کا بھی مہٹ گیا
بستم گیا حزن سے غنچہ بھول
اڑا نور نرگس کی آنکھوں کا سب
سب جوے اڑنے لگی گرد گرد
لگی آگ لائے کے دل کو تمام
پڑا ماتم اس باغ میں بسکہ سخت
گئے غم سے انھوں مد ہوش ہو
لگے تھے جو پتے درختوں کے ساتھ

۱۔ نخل ماتم۔ ۲۔ اہولیت۔ ۳۔ اہلی

وہ لبریز جو نہر تھی جا بجا
 اچھلتے تھے نوارے جو اسکے دل
 مڑے پر جو کچھ اشک تھے بھر گئے
 ہووا حال چشموں کا یا شک تباہ
 کہاں وہ کنویں اور کہاں آبشار
 نہ بگلوں کا عالم نہ وہ قمرے
 جہاں رقص کرتے تھے طاؤس یاغ
 سہانی وہ چھائیں جو ٹھپ تھیں
 متش جہاں تھے وہ نگین نکاں
 گلوں کی طرح کھل رہے تھے جو دل
 خزاں کا الم دل میں جو آگڑا
 نہ غنچہ نہ گل نے گلستاں رہا
 وزیروں نے دیکھا ہوا سوال شاہ
 کہا گو جہانی گوارا نہیں رہا
 نہیں خوب اتنا تھیں اضطراب
 خدا جلنے اب اسیں کیا بھید ہے
 خدا کی خدائی جو معمور ہے
 نہیں ایک صورت پہ کوئی مدام
 یہ کہہ اور شہ کو بٹھا تخت پر

سو آنکھوں کو وہ رہ گئی ڈبڑا
 کیا سب نکل اُنکا تاب و توراں
 غرض روتے روتے گڑھے پڑ گئے
 کیا رخت پانی نے اپنا سیاہ
 کوئی دل میں روتا کوئی دھاڑ مار
 نہ وہ آنسو نہیں نہ سبزے ہرے
 لگے بولنے والے منڈیروں پہ زار
 تو کیا ہو کہ اب دل لگی داں نہیں
 ہوئے سب وہ جو نہ خود نکلاں
 سودہ سب خزاں سے ہوئے مٹھیں
 جگر رگ گل کی طرح بھڑپڑا
 فقط دل میں اک خار بچاں رہا
 کہ ہوتی ہو اب اسکی حالت تباہ
 لیکن خدائی سے چار انہیں
 نصیبوں سے شاید ملے وہ شباب
 یہ کہتے ہیں جیتوں کو امید ہے
 غرض اُسکے نزدیک کیا دور ہے
 اُنکی کی غرض ذات کو ہے قیام
 ہر نوع رہنے لگے یک دگر

سلہ دھاڑ مار کر رونا چلا کر رونا سگہ آجیو۔ ندی ۱۲ عید باری آجیو۔

لٹایا بہت باپ نے مال و زر | ولکین نہ پائی کچھ اُس کی خبر

۱۹ | داستان شہزادے کو پرستان میں لیجانے کی

مجھے دے کے مڑھو ج اُسکا بتا | نور اخضر رہ ہو تو ہی ساقیا
نہ پائی کہیں یاں تو اُس گل کی بو | کروں اب پرستان میں بستجو
اُڑی وہ پری داں سے لیکر اُسے | اُٹار اہرستان کے اندر اُسے
ہاں ایک تھا سیر کا اُس کے باغ | کہ جسکے گلوں سے ہوتا زہ دماغ
ریاحین و گل اُسہیں انواع کے | طلسمات کن اُسہیں انواع کے
طلسمات کے سارے دیوار و در | نہ یانے سے کوٹھے نہ یانے سے گھر
مطلا منقش مشکت تمام | پر کیا ہو جو ہو دھوپ کا اُسہیں نام
گرے چھکے داں اس لطافت سے دھوپ | کہ زردی کا جوں زعفران پر ہو روپ
نہ تیش کا خطرہ نہ بارش کا ڈر | نہ سردی نہ گرمی کا اُسہیں خطر
ہرے اور بھرے سب گلوں سے مکان | جہاں چلتے جا کے رکھ دیں ماں
در خندہ ہر سقفت دالان کی | ہو دیوار جیسے چراغاں کی
زمین ساری دانگی جواہر نگار | ادھر میں چین اور ہوا میں بہار
کسی کو ہو جس چیز کا اشتیاق | نظر آوے وہ چیز بالائے طاق
جواہر کے ذی روح و شہ و طیور | خراماں پھریں سخن میں دور دور
پھریں دن میں سارے وہ حیوان ہو | کریں رات میں کام انسان ہو

نہ تیش کا خطرہ نہ بارش کا ڈر

۱۰ | سونے کا کام ۱۱ | منقش نقش ۱۲ | شبک جالی دار ۱۳ | ادھر حلق ۱۴ | ٹنگا ہوا ۱۵ | ای

<p>وہی دنگو گھر وہی شب چراغ گل و غنچہ سب واں کے دور از خیال کہیں ناچ کی اور کہیں تال کی تو دنیا کے باجوں کی آئے صدا تو جوں ارغنون راک نکلیں ہزار بخط سلیمانی اُن پر نقوش ارادے پہ دئے اٹھیں اور کھلیں پھر یں گرد گرد اُس پری کے دام سراپا ب رنگ گھر آب دار کھلا حسن سے اُسکے ہنگے کارنگ نہ پائی وہاں شہر کی اپنے بو تعجب سے اک اک کو تکتا رہا لگا کہنے یار ب میں آیا کہاں ہوا کچھ دلیر اور حیراں بھی کچھ کہ ہی اجنبی سی وہ اک رشک مہ لے آیا مجھے کون گھر سے ادھر</p>	<p>لگے ہر طرف گوہر شب چراغ بنائے ہوئے جال یا ہم نہال صدا آپ سے آپ گھر پال کی رہے واں کے چروں کا جو در کھلا وگر بند کر دیجیے ایک بار مکانوں میں نخل کا فرش و فروش طلسمات کے پردے اور چلوئیں خواصیں پریزاد اُس میں تمام سر نہر ہنگہ مرصع نگار رکھا شاہزادے کا اُس میں پلنگ قتضار اکھلی آنکھ اُس گل کی جو نہ وہ لوگ دیکھے نہ وہ اپنی جا اپنے کچھ کا یہ خواب دیکھا جو واں زبں تھا وہ لڑکا تو سماں بھی کچھ سربانے جو دیکھی مہ چار وہ کہا کون ہے تو یہ کس کا ہے گھر</p>
--	---

۱۱۔ گوہر شب چراغ ایک قسم کا نعل جو شب کو روشنی دیتا ہے ۱۲۔ گھر پال وہ گھنٹہ جو ابروؤں کے دروازوں پر یا مندروں وغیرہ میں بکایا جاتا ہے ۱۳۔ ارغنون ایک باجا جس کا موجد افلاطون تھا ۱۴۔ مرصع نگار جس پر نقش و نگار بنائے ہوں ۱۵۔ چنبھا تعجب ۱۶۔ سماں اس طریق سے اب اُتھال نہیں کرتے اور نہ یوں قافیہ کیا جاسکتا ہے ۱۷۔ کسی

پھر اس مخد کو اور سے اُدھر سے نقاب
خدا جانے تو کون میں کون ہوں
پر اب تو تو جہان ہے میرے گھر
یہ گھر گو کہ میرا ہے تیرا نہیں
تیرے عشق نے مجھ کو شیدا کیا
چھڑا کر ترا تجھ سے شہر و دیار
پری ہوں میں اور یہ پریشان ہے
کہاں صورتِ حق کہاں شکلِ انیس
پری کو موئی شادی اُس سہ کو غم
کبھی یوں بھی ہے گردشِ روزگار
غرض دلو جوں توں لگایا وہاں
ولیکن نہ عقل نہ ہوش و حواس
کبھی اشک آنکھوں میں آئے وہ
وہ محلوں کی چلیں وہ گھر کا سماں
وہ شفقتِ جواں باپ کی یاد آئے
کبھی اپنی تنہائی پر غم کرے
کرے یا دحب اپنے ناز و نعم
بہانے سے دن رات سو یا کرے
غرض مضطرب تھا وہ ہر حال میں

نہاں ہے کہاں

نہاں ہے کہاں

نہاں ہے کہاں

و یا اُس پری نے یہ منہ سکر جواب
مجھے بھی تعجب ہے میں کیا کہوں
لے آئی ہے تجھ کو قضا و قدر
پر اب گھر یہ تیرا ہے میرا نہیں
ترا غم مرے دلیں پیدا کیا
یہ بندی ہی لائی ہے تقصیر وار
یہاں سب یہ قوم بنی جان ہے
غرض قہر ہے صحبت غیر جنس
پہنا چار کیا کر سکے وہ صنم
کہ معشوق عاشق کے ہوا اختیار
کہا اُس نے جو کچھ کہا اُسکو ہاں
رہے و حشوت کی طرح وہ اور اس
کبھی سانس لیکر کہے ہائے وہ
رہے رو برو دنیا میں ہر نہاں
تو راتوں کو رنہ رو کے دریا بہاں
کبھی اپنے اوپر دعا دم کرے
فغاں زیر لب وہ کرے دمدم
نہ ہو جب کوئی تب وہ رو یا کرے
کہ جوں مرغِ ترپے نیا جال میں

لہ مراد جنت ۱۲ لہ انس انسان ۱۲ سی

غرض باہر اُس پری کا تھا نام
 کبھی گھر میں رہتی کبھی رہتی واں
 وہ بریوں میں از بسکہ مٹی دلشعور
 عجائب غرائب پرستان کے
 نئے کھانے اور میوے اقسام کے
 مٹی کشتیاں روز پوشاک مٹی
 نئے سوانگ واں کے نئے آگ دنگ
 شرابیوں کے خیشے پہنے طاق میں
 شراب و کباب و بہار و نگار
 نہ تھا اور غم کچھ تو اُس کو وہاں
 اسی غم میں گھل گھل کے مرنے کا وہ
 پری وہ جو مٹی دل لگانے ہوئے
 وہ مٹی نازیں بھی بہت عقلمند
 کہا ایک دن اُس نے اپنے بنظر
 تو اک کام کر اک بہر بھر کہیں
 تو رک رک کے کر اپنے جی کو نہ بند
 سر شام جاتی ہونیں باپ پاس
 یہ گھوڑا میں دیتی ہوں کل کا تجھے

پد سے کیا تھا یہ پوشیدہ کام
 کہ تارا از اُس کا نہ ہو دے عیاں
 نئی چیز لاتی تھی اُس کے حضور
 دکھائی مٹی ہر شب اُسے آن کے
 بیٹا سب اسباب آرام کے
 خوشامرد ا جان غناک کی
 کہ تادل لے اور نہو جی بتنگ
 گو کہ وہ کہ نکلے نہ آفاق میں
 جوانی دمستی و بوس و کنار
 بغیر از غم و درئی دوستاں
 سدا شمع ساں آہ کرتا تھا وہ
 وہ مٹی مٹی اُس کو اُسے ہوئے
 نہ گھٹنے سے کچھ اُس کے ہوتی مٹی بند
 مرے دام میں تو پڑا ہے اسیر
 کیا کر ملک اک سیر دے زمین
 نہ ہو بچے کہیں تیرے جی کو گوند
 اکیلا تو رہتا ہے اس جا اُداس
 ولکین یہ دے تو چلکا بچھے

لے نہ گھٹنے سے یعنی اس کے بے تکلف نہ ہونے سے ۱۲ سالہ عمر تک کے۔ یعنی
 گھٹ گھٹ کے ۱۲ سالہ چلا دینا کسی اور کے نہ کرنے کا تحریری عہد دینا ۱۲ کی

و یا دل کسی سے لگائے کہیں وہی حال ہو تجھ سے دلدار کا مجھے جو کہا تم نے سب ہی قبول کر بخشا تجھے میں سلیمان کا تخت جو برعکس چاہے تو دوں موڑیو جہاں چاہیو جایو تو وہاں	کہ گر شہر کی طرف جائے کہیں تو پھر حال جو ہو گنہ گار کا کہا کیونکہ میں تم کو جاؤنگا بھول کہا ماہر خ نے کہ تھے تیرے بخت جو اترے تو کل اُسکی یوں جوڑیو زمین سے لگا اور تا آسمان
--	---

۲۵ داستان گھوڑے کی تعریف میں

پرندوں میں کب ہوں یہ محبوبیاں جو کہے تو کہے اُسے باد پا نہ ٹاپے نہ بیمار ہو وہ کبھی نہ دہ کہ نہ لنگ اور نہ منہ زور وہ نہ پیشانی او پر ستارے یگاناں ہر اک عیب سے وہ غرض بخاطر	کہوں کیا میں اُس سپ کی خوبیاں ذرا کل کو موڑے فلک پر ہوا نہ کھاوے نہ پیوے نہ مروت کبھی نہ شہری نہ کمری نہ شب کو روہ نہ ہڈ و نہکانے موڑے کا غل نہ ساپن نہ ناگن نہ بھونری کا ڈر
---	---

۱۷ شہری گھوڑا عیب دار گھوڑا جو ہر گھوڑوں کے ساتھ مل کر نہ رہ سکے ۱۲ گری۔ وہ
گھوڑا جس کی کمزوری اور جست میں خم نہ ہو سکے ۱۳ شب کو جس کو راست کو نہ دکھائی دے۔
گھوڑے کا یہ بھی ایک عیب ہے ۱۴ گنہ لنگ گھوڑے کے لنگڑا ہونے کا عیب ۱۵ غل و
مکھن گھوڑا ۱۶ موڑا گھوڑے کا ایک مرض۔ یہ ایک غل و وہ ہے جو گھوڑے کے پیچھے سے بالائی
غوردار ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے وہ لنگ کرنے لگتا ہے اس مرض میں گھوڑے کے ٹخنے کی ہڈی بھی تھک جاتی ہے
۱۷ گھوڑے کی پیشانی پر قیڑا لگا ہوتا ہے کہوٹوں ۱۸ یہ سب علامتیں گھوڑے میں خوش خالی ہوتی ہیں۔

دیکھو

یہ گھوڑا جو اُس گُل کی تعابض سلگا سیرِ شام وہ بنیظیرِ جہاں ہر اک طرف سے ہو گندتا تھا وہ پہر جب بکھر جاتا تو پھر تاشتاب	فلک سیرِ تھانام اُس رخس کا اُسی رخس پر ہو کے جلوہ کناں وہی اک پہر سیر کرتا تھا وہ کہ پھر قمر تھا ماہِ رخ کا عتاب
---	---

داستانِ ار دہونا بنیظیر کا باغ میں بد مزیر کے

کہ صر ہے تو لے ساقی شوخ رنگ پلا مجھ کو دائر و کوئی تیز و تند مرے تو سن طبع کو پر دگا سنو ایک دن کی یہ تم دار دات ہو انا کہاں اسکا اک جاگد ر سفید ایک دیکھی عمارت بلند وہ چھٹکی ہوئی چاندنی جا بجا وہ نکھر فلک اور وہ مہ کا ظہور یہ عالم جو بھایا تو کوٹھے پہ آ لگا بھانجئے اُس مکان کے تنیں جو دیکھا تو ایسا کچھ آیا نظر کہا جی سے اب تو جو کچھ ہو سو ہو	کہ آیا ہوں میں بیٹھے بیٹھے تنگ کہ ہوتا چلا ہے مراد میں کند مجھے یاں سے لے چل فلک پر اڑا اٹھا سیر کو بنیظیر ایک رات سہانا سا اک باغ آیا نظر کہ تھی نور میں چاندنی سے دو چند وہ جاڑے کی آندہ ٹھنڈی ہوا لگا شام سے صبح تک وقت نور اُتر اپنے گھوڑے سے اور سر تھکا کہ دیکھوں تو یاں کوئی ہی پائیں کہ سب کچھ گیا اسکے جی سے اتر ذرا چل کے اس سیر کو دیکھ لو
---	--

نہ تو کوئی پائیں

سہ بخش۔ حصہ ۱۲ گھوڑا ۱۲۱۵ پہر بکھا۔ امراء اور بادشاہوں نے یہاں ایک پہر دات
گورجل نے پرگھٹا بھتا تھا ۱۲۱۵ دار و مجاز اُشراب ۱۲۱۵

یہ کہہ نیچے اتر آدے پاؤں وہ
الگ کھول ہاتھوں سے واسکے کواڑ
تھے اک طرف گنجان باہم درخت
لگا دال سے چھپ چھپ کے کرنے نظر
جو دیکھی تو صحبت عجب ہے وہاں
عجب صورتیں اور طرفہ عمل
ملی جنس کی اپنے جو اُس کو بو
نظر آئی وال چاندنی کی بہار
وہ وہاں یک سخت سارے سپید
مغرق زمیں پر تمامی کا فرش
زمیں کا طبق آسمان کا طبق
بلورین دھڑے ہر طرف سنگ فرش
گئی اُسکے عالم پہ جس دم نگاہ
طرح اُسکی ہر دل کی مانوس تھی
کہیں دیکھ اُسکے شیش ہو شمشند
ہر اک سمت وال نور کا اثر و حام
پیسٹے ہوئے بادلوں سے درخت

روح کا
ابر

نہا

نہا

نظر سے بچائے ہوئے چھاؤں وہ
چلا سایہ سایہ درختوں کی آڑ
کہہ لپٹے ہوں جس طرح مشتاق سخت
درختوں سے حوں ماہ ہو جلوہ گر
عجب چاندنی ہو عجب ہو سماں
چلا دیکھتے ہی دل اُسکا نکل
لگا تکتے حیرت سے ہر ایک سو
کہ اکھوں نے کی حیر کی اختیار
ہر اک طاق محراب صبح امید
بھٹک جی کے فرش سے تابعرش
سہرے رو پہلے ہوں جیسے ورق
کہ جس سے نور ہے رنگ فرش
اور آئی نظر اُسیں اک رشک ہا
کہ گویا وہ شیشے کی فالوس تھی
پری کو کیا ہے گا شیشے میں بند
لگے آئے قد آدم تمام
زمین و ہوا صاحب تاج و تخت

۱۱۔ حیر کی چکا چوندہ ۱۲۔ مغرق جگمگاتا ہوا۔ باب و تاب ۱۳۔ سنگ فرش -
میر فرش وہ فراتے ہوئے پتھر جو فرش کے چاروں گوشوں پر اس لیے رکھ دیتے ہیں
کہ ہوا سے نہ اڑ سکے ۱۴۔ طرح۔ وضع ۱۵۔ اسی

<p>ٹپٹ چترہ ماہ سے جس میں لہر تو پٹری تھی وہ ایک بلور کی ہو اچھ موتی سے لگتے ہوئے گمراہ داں رشک سے پونہ ہو ہر رنگ جاتارے اڑا دیں کھڑے زمین کو فلک کا بنایا تھا جو ٹر میں جلوہ مہ کو زیر قدم کہ طرہ نہ جھٹک لے اور یہ دیں سے لگانا ساز فشاں زمین چمن سب جبین عروس کریں دیکھ کر ہر دم جن کو بخش کہ تھے جسکی بھال پر موتی نثار ڈھلے ایک سانپ کے کانک راس کے لڑی جوں کناری کے ہوں ہار کی کہ سورج کے ہو گرد جیسے کرن</p>	<p>ٹپٹ وہ چوڑ کی پاکیزہ نہر لب نہر پر صاف جو غور کی پڑے اُس میں نور سے چھٹتے تھے مقراض پڑا اُس میں منقش ہو لیے گو دمنقش چھوٹے پڑے مقراض اپنی صورت سے تار کو توڑ ہو امیں وہ جگنو سے چمکیں ہم فقط چاندنی میں کہاں طور یہ زمانہ زرافشاں ہو از فشاں گل و غنچہ نسری و تاج خروس تو امان زری پوش ہر ماہ و ش کھڑا ایک لکھنؤ زر نگار چڑاؤ وہ استاد کے الماس کے کچھی ڈوری اک طرف زر تار کی کہوں کیا میں بھال کی اُسی پین</p>
---	--

موتی

✓

۱۲

۱۲۔ طب۔ لبالب بھری ہوئی۔ فارسی و انوں نے بقاعدہ عربی اس کو خیالیا ہے ورنہ عرب
کے لغات میں یہ لفظ نہیں ہے ۱۲۔ مقراض۔ مقراض یعنی قینبی سے تراشا ہوا ۱۲۔
چاندی سولے کے تاروں کا بنا ہوا ایک کپڑا ۱۲۔ سار۔ آسمان ۱۲۔ تاج خرو
ایک پھول کا درخت جس کو اردو فارسی میں مرغ کہیں کہتے ہیں ۱۲۔ شامیہ
نیم کا ٹکڑا شامیانہ ۱۲۔ استادے۔ شامیانے اور خیمہ کی جو میں ۱۲۔ اک
۱۲۔ یعنی ایک ناپ کے ۱۲۔ اسی۔

<p>۷ مغرق بھی مند اک حبش لگی نہ پہولے ساتے تھے تکیہ دھے بلوریں صراحی وہ جام بلور زمیں نور کی آسماں نور کا چمن سارے داؤ دیوں سے بھر ستاروں کا کتاب میں جالیوں اگر کیجئے سایہ او پر نگاہ کرے ہر نگہ جس طرف کو گذر کردوں کون سے حسن کو انتخاب نظر جس طرف جانے نزدیک و دور مکمل اپنی وحدت سے کثرت میں آ نئے رنگ سے ہر طرف ماہتاب حقیقت کی لیکن بصارت بھی ہو</p>	<p>کہ تھی چاندنی جسکے قدموں لگی کہ تھے وہ فقط حسن ہی سے بھلے دل و دیدہ وقف تماشاے نور جدھر دیکھو اودھر سماں نور کا جو انان شبوئے کے ہر جا پرے کہ چوٹے میں پانی کے قطرے ہوں گل تو جو وہ بھی جوں سایہ ہر وہا بجز نور آتا نہیں کچھ نظر ہر اک آئینے میں وہی ماہتاب اسی ایک مہ کا ہے ہر جا ظہور وہی نور ہے جلوہ گر جا بجا وہی ایک نکتہ کہ جسکی کتاب کہ دیکھے نہ اُسکے سوا غیر کو</p>
---	---

سکھنے کے پانی میں قطرے

داستانِ تعریف بد مزیاور عاشق ہونا بینظیر کا

<p>مہ چار وہ کو دکھا کر پلا نظر کام کر جائے نزدیک و دور کہ ہے بعد خاتم تنگیں کا بیاں</p>	<p>مکلائی مرے سامنے ساقیا کہ دیکھے سے جسکے ہو دلوں سرور کردوں اُس مکان کے کیوں کا بیاں</p>
--	--

۱۷ جلگی، پکدار، زرق برق ۱۷ اسلہ شب بو۔ ایک پھول کے درخت کا نام ۱۷ اسلہ ایک
 قسم کا رنگین خیشے کا گلہاس ایک قسم کی بوتل نامہ صراحی ۱۷ اسی

وہ مسند جو تھی موج دریائے حسن
 برس پندرہ ایک کاس سال
 دے کہنی تکیہ پہ اک ناز سے
 خواہیں کھڑیں ایدھر اودھر تمام
 وہ بیٹھی تھی یہ درج بنائے ہوئے
 اودھر آسمان پر وہ رشتہ مر
 پڑا عکس دونوں کا جو نہر میں
 نظر آئے اتنے جو اکبار چاند
 عجب طرح کا حسن تھا جانفزا
 گردوں اسکی پوشاک کا کیا بیاں
 زبس موتیوں کی تھی سجاوٹ سُل
 اور اک اوڑھنی جوں ہوا یا حجاب
 صبا سخت صفا اُس میں جھلکی ہوئی
 گریباں میں اک تکتہ الماس کا
 وہ کرتی وہ انگیا جو اہر نگار
 وہ چھب سختی اور اسکی کرتی کا چاک
 جھلک پانچامہ کی دامن سے پول

وہاں دیکھی اک مسند ازلے حسن
 نہایت حسین اور صاحب جمال
 سر نہر بیٹھی تھی انداز سے
 ستاروں کا جوں ماہ پر از دحام
 دل اُس چاندنی پر لگاتے ہوئے
 اودھر یہ زمیں پر مہ چار وہ
 لگے بوٹے چاند بر سر میں
 زمانے کے منہ کو لگے چار چاند
 کہ مہر و برد جسکے تھا قہقہہ رہا
 فقط ایک پیشہ از آب رواں
 کہے تو وہ بیٹھی تھی موتی میں سُں
 جسے دیکھ دیکھ کو آوے حجاب
 پڑی سر سے کاندھے پہ ڈھلکی ہوئی
 ستارہ سا مہتاب کے پاس کا
 نیا باغ اور ابتداء کی بہار
 ترانے کی انگیا کسی ٹھیک ٹھاک
 کہ روشن ہونا فوس میں شمع جوں

دھڑک

دھڑک

دھڑک

۱۳ دھج۔ دفع ۱۳ چار چاند لگتا۔ زیب و زینت کا بڑا جانا ۱۴۔ پیشہ از آب ایک خاص لباس ۱۵۔
 ۱۵۔ سنان۔ گوٹ۔ حاشیہ۔ چوڑی اور آڑی گوٹ ۱۶۔ شبنم ایک بہت باریک ریشمی کپڑے کا نام ہے۔
 ۱۷۔ صباحت۔ سفید رنگ گورا پیشہ ۱۸۔ گریبان وغیرہ کی گھنڈی الجھانے کا حلقہ فارسی میں گھنڈی

صفائی یہ پوشاک کی دیکھو
وہ ترکیب اور چاند سا وہ بدن
جڑاؤ وہ ہائے کہ ہائے کار شک
وہ آنکھوں کی مستی وہ مرگانی لوک
وہ موتی کا ڈولڑا وہ موتی کا ہار
لگاؤ حکمت کی بچاؤ است لڑا
جڑاؤ دکتی وہ چنبا کلی +
تے اسکے موتی لنگے گر دکل
جھا نگہ یوں کا کروں کیا بیاں
جواہر سے منے کی ہیکل جڑی
فقط موتیوں کی پڑی پائے زیب
کسی کے کہاں ہاتھ وہ پاؤں آئے
سزا پا اگر ہو زبان میرا تن
سب اعضا بدن کے موافق درست
جہاں راستی چاہیے راستی
وہ نکھر ا جسے دیکھ مر دل غ کھائے
جو کچھ چاہیے ٹھیک نک نکاتے انگٹے
کچھ اک ٹکنت اور کچھ اک بانگین

نظر سوچ میں ہے کہ میلی نہ ہو
وہ بازو پہ ڈھلکے ہوئے نور تن
وہ موتی کے مالے کہ عاشق کا اشک
گر نہ پھول کی اور بالیک جھوک
سدا اشک غمیدہ جس پر تشار
سراسر گلے حسن اُسکے پڑا
مہرے جس سے الماس کو بیلی
کہ جوں شبنم آلودہ ہو برگ گل
کہ اٹھتی تھی ہاتھوں سے جکی فغاں
کہ اور کو لے کے نیچے پڑی
کہ جسکے قدم سے گہریاے زیب
جواہر جہاں پاؤں پر پڑے جائے
سرا پائیں اُسکے کروں کیا سخن
ہر اک کام میں اپنے چالاک حجت
کجی جس جگہ چاہیے واں کجی
وہ نقشہ کہ تصویر کو حیرت آئے
نزدکت بھرا سیوتی کا سارنگ
غرض ہر طرح میں انوکھی بھین

۱۷ مراد جم کی بناوٹ ۱۷ سالہ کان کا ایک زیور ۱۲ سالہ دولڑا۔ دولڑا کا بار ۱۲ سالہ زیور کے کا ۱۲ سالہ
ہاتھوں کا جڑاؤ زیور ۱۲ سالہ تک سک۔ ہر نقشہ ۱۷ سالہ ایک جسم ۱۲ سالہ ٹکنت۔ غور گھنٹہ ۱۲۔

در بحر

غرض دلبری اُسکے فرمان میں
 ہر اک اپنے موقع پر وقت ضرور
 موافق ہر اک جوصلے کے کرم
 بھکی شاخ نخل گلستان حسن
 مرثہ دیں صفوں کو اُلٹ بر ملا
 صدف کا دل صدف شرمندہ ہو
 ہوا گشت قدرت کی سیدھی بکیر
 اگر آپسہ ہوسہ کا گزرے خیال
 بیاض گلو سب کی سب انتخاب
 برابر ہو الماس کے جس کا مول
 شفق میں ہو جوں نیچے آفتاب
 کہے تو کہ تھی نات عکس ذوق
 نہ آوے نظر تو ہے قسمت کا بیج
 رہے عمر بھر ہاتھ زانو کے ساتھ
 پھرے ہر سحر چشم و دلیں سدا
 قیامت کہے جس کو جھک کر سلام
 کہ دل جس سے عالم کا ہو پائمال
 کہاں پر وہ رفتار کو اُسکی پائے
 یہ انداز سب اُسکے پاؤں تلے

کرشمہ ادا غمزہ بہر آن میں
 تغافل جیانا ز شوخی غرور
 تبسم تکلم تر حسم ستم
 وہ ابرو کہ محراب ایوان حسن
 آفت و چشم عین بلا
 در گوش جب اُسکا تابندہ ہو
 وہ بینی کہ جس کی نہیں کچھ نظیر
 وہ رخسار نازک کہ ہوا نے لال
 نہیں رطب و یابس کا یاں کچھ حساب
 وہ ساعدہ وہ بازو بھرے گول گول
 وہ دست حجابستہ خوبی کا باب
 ز بس مثل آئینہ تھا اُس کا تن
 مگر کوہوں کیونکہ میں اُسکے ہیچ
 وہ زانو کہ آٹھائے گز اُس پر ہاتھ
 وہ ساق بلوریں وہ انداز پا
 قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام
 وہ اٹھیلیاں اور وہ اُس کی چال
 بنا کہیک تپسی ہی گو چال لائے
 لٹکے چال اُس کی کوئی کیا چلے

لے تک چال مستانہ انداز سے چلنا اور عبد الباری اُسی۔

عجب پشت پا صاف انگشت پا
مغرق جو اہر سے اک جنت کفش
یہ قدرت کا دیکھا جو اُس نے خیال
درختوں سے وہ دیکھتا تھا نہاں
جو دیکھیں تو ہے اک جو ان حسین
یہ چرچا جو پھیلا تو ظاہر ہوا
یہ سن ایک سے ایک ال سب کی سب
جو دیکھیں تو شعلہ سار و شن ہے کچھ
کسی نے کہا کچھ نہ کچھ ہے بلا
کسی نے کہا ہے پری پا کہ جن
لگی کہنے ماتھا کوئی اپنا کوٹ
ہوئی صبح سب کا گیا اٹھ حجاب
کسی نے کہا دیکھو اے بوا
کسی نے کہا یہ تو دلدار ہے
یہ آپس میں باتیں جو ہونے لگیں
گئی بات یہ شانہ زادی کے گوش
کہا میں تو دیکھوں یہ کہہ کر اٹھی
خواصوں کے کاندھے پہ دھرا پنا ہاتھ
کچھ اک خوف ہول کھاتی ہوئی
کئی جہد میں تھیں جو کچھ کچھ پڑھیں

کہتے پا دکھاوے سرشت پا
نہ وہ مفت پا بلکہ پامفت کفش
کہا شاہزادے نے یا زدا بھلال
کسی کی نظر جا پڑی ناگہاں
درختوں کی جڑوں میں مہ جہیں
ہر اک حال سے اُسکے ماہر ہوا
پھر برک گل کی طرح غنچہ لب
درختوں کا روشن سا انگن ہے کچھ
کسی نے کہا چاند ہے یاں چھا
کسی نے کہا ہے قیامت کا دن
شار اپڑا ہے فلک پر سے ٹوٹ
درختوں میں نکلا ہے یہ آفتاب
کھڑا ہے کوئی صاف یہ مردوا
کسی نے کہا کچھ یہ اسرار ہے
اشاروں سے گھاتیں جو ہونے لگیں
یہ سنتے ہی جاتا رہا اُسکا ہوش
گیا سننا جی تو رہ کر اٹھی
عجب اک داسے چلی ساتھ ساتھ
دھڑک اپنے دل کی مٹاتی ہوئی
دعائیں وہ پڑھ پڑھ کے آگے بڑھیں

<p>وہاں جس جگہ تھے وہ باہم درخت کھڑا ہے وہ آئینہ سامہ جیس یکایک نظر واپس پڑا بے نظیر دیے ہر عشق نے گاڑ پاؤں جوانی کی راتیں مرادوں کے دن جسے دیکھ نیلا ہو چرخ کیو و بدن سے عیاں نور عالم کا ایک کہ جوں عکس سے زیر آب روان تمامی کا پڑکا کمر سے بندھا کہ ہر پہنچ پہنچ کھاتا تھا دل تارہ ہو جوں صبح کا جگمگ لنگ جس کی زمیندہ دستا پر بھرتے ڈھلے تو شوق کی بہار سراسر حنا دست دپا میں لگی نمود جوانی ہر اک بات سے گل باغ خوبی لکتا ہوا</p>	<p>گیس جب کہ کر کے دل اپنا کرخت جو دیکھیں تو ہے اک جوان حسیں گیس جھانکنے سب کی سب ہر شریر سرکنے کی وال سے نہ جاگ نہ ٹھاؤں پرس پند رہ یا کہ سولہ کا سن نئی پشت لب سے مسوں کی نمود گلے میں پڑا نیم شبہ شبنم کا ایک تمامی کی نجات جلوہ کنساں طرحدار اک سر پہ پھینکا سجا عجب پہنچ پہنچ بیٹھے تھے دل جو اہر کا ٹکٹہ گلے میں بندھا وہ موتی کا لنگن زمر کی ہر وہ گورا بدن صاف ترکیب دار اک الماس کی ہاتھ انگشتری عیاں حسی و چاکلی گات سے بدن آئینہ سا دکھتا ہوا</p>
--	--

سازن ٹھاؤں جگہ ٹھاؤں ۱۲۔ زیر ایک قسم کا اونچا جامہ ۱۳۔ پینٹا۔ ایک قسم کی پگڑی ۱۴۔ کھن
سے مراد یہاں زردی طرہ ہے ۱۵۔ ہر ایک قسم کا ہی گھڑی جو ہر ت مشابہ ہوتی ہے جسے ٹوپے
گوند سے ہیں ۱۶۔ ڈھلے بازو ۱۷۔ نورتن۔ بازو کا ایک زیور ۱۸۔ گات۔ دھن
اسلوب۔ جسم کی خوشنمائی ۱۹۔

جوانی کی شب کا سماں بر محل
 جہیں پر برستا شجاعت کا نور
 کھڑا دل کسی پر لگائے ہوئے
 وہ جتنی کہ آئی تھیں سب گر گئیں
 کہ اسے شاہزادی صاحب جمال
 یہ عالم تو دیکھا نہیں خواب میں
 جو دیکھو گی آنکھوں تو جانو گی تم
 نہ جائے کہیں ہاتھ سے یہ بہار
 چلی آؤنگ ان درختوں کے پاس
 اور اُسے جو دیکھا ہے بینظیر
 نظر سے نظر جی سے جی سے دل
 گرے دونوں آپس میں ہو کر اسیر
 نہ کچھ اپنے تن کی رہی سُدھ اُسے
 نہایت حسین اور قیامت شریر
 اُسے لوگ کہتے تھے نجم النساء
 تب آئی تنوں میں درا اُسے خواب
 گل شبنم آلودہ گریبان سی
 وہیں رہ گیا نقش پاسا بچک
 کمر اور چوٹی کا عالم دکھنا

اکڑ زلفت کی اور کا کل کا بل
 قیامت سے ظاہر سراپا شعور
 دے عشق کی تیغ کھائے ہوئے
 یہ عالم جو دیکھا تو غش کر گئیں
 شہابی سے جا کر کہا دکانکا حال
 عجب سیر ہے سیر ہتاب میں
 کہے سے ہمارے نہ مانو گی تم
 اٹھا پائے گلگوں کو جلد لے نکار
 نہیں اور کچھ تم نہ کیجیو ہراس
 گئی اُس جگہ جب وہ بدر منیر
 گئے دیکھتے ہی سب آپس میں
 غرض بینظیر اور بدر منیر
 رہی کچھ نہ تن من کی سُدھ بدھ سے
 تھی ہمراہ اک اُسکے دخت وزیر
 زمیں تھی ستارہ سی وہ دلربا
 شہابی سے لا اُسے چھہ کا کلاب
 وہ اٹھنے تو اٹھی پہ حیران سی
 وہ شہزادہ دل شدہ تو ٹھٹھک
 کہ وہ ناز نہیں کچھ بچک منہ چھپا

۱۔ بچک۔ حیران ۲۔ سلا ناعبد الباری اتسی۔

وہیں نیم بسمل اُسے چھوڑ کر	چلی اُسکے آگے سے منہ موڑ کر
وہ چوٹی کا کوئے پہ آنا نظر	وہ گدگدائی وہ شانے وہ پشت مگر

داستان زلف اور چوٹی کی تعریف میں

<p>کہ ہر مجھ کو در پیش تعریف مو کہ مستی میں دیکھوں رخ آفتاب نہ دیکھا کسی رات میں یہ سماں اُٹھنے سے جی جتنے بٹھا رہے کناری کا پیچھے چمکتا مٹو بان کہ چوٹی خزی شب ہو چھکے کارنگ کہ جوں ابر میں برق کی ہو چمک دیا ہر گرہ دن کو دتال شب پہکتے ہیں چوٹی کا اُسکو سنکار کہ اک نور ہر اس کے پیچھے پڑا کہ اسکی لشک میں عجب آن ہے شب نہ روز کو دے رکھا اُسے کانٹھ کہ ہر فی الحقیقت وہ کاہل کامن کہ وہ ایک ستارہ ہے ورنہ دار</p>	<p>پلا سا قیاسا غر مشکبو سر شام سے دے بہانک شراب کروں اُسکے ہالونکا کیا میں بیاں وہ زلفیں کہ دل جہیں اُچھا رہے وہ گنگھی وہ چوٹی کھنچی صاف صاف کہوں اُسکی چوٹی کا کیا رنگ ڈھنگ نمایاں تھی یوں وڑسنی سے بھمک موبان زری نے کیا ہر غضب سنگار نہیں وہ سب سے گہرا تار نہ ہو کیونکہ چوٹی کا تیر بڑا گل و سنبل اس پر سے قربان ہے لڑائی تھی زبیں سحر سے اُسکے ساتھ وہ ہاتھ آتا ہے اُسکا گٹھن اُٹھ کر نہ دیکھے اُسے ہوشیار</p>
--	--

لہ گدی گردن کا پھیلا حصہ لہ فیتہ بیٹی جسے عوریں چوٹی میں گونجی ہیں لہ تار۔ کہ درجہ
کہ رتبہ لہ ساتھ۔ سازش ۱۲ عبداللہی آجی۔

وہ پیٹھ اُسکی شفاف آئینہ ساں
کہوں اُسکے عالم کا کیا ماجرا
بحری تھی دلوں سے زیر اُسکی مانگ
دل عاشق اُسپر سے قربان ہے
کشاکش میں تھا ورنہ جینا تو کسچ
غرض حسن کا اُسکے ہے سب یہ بھید
کسے سرخ جو کوئی اُس میں موبان
کیا قتل گو اُس نے دل کو تو کیا
کہا خاک کہوں اُسکی جوئی کی بات
دیا شعر کو گر چہ ہر بار طول
بہت موٹنگانی جو کی میں نے یاں
تس اوپر جو پوری نہ بیٹھی مثال
اب اس پیچ سے باہر آتا ہوں میں
غرض وہ مڑی جب دکھا اپنے بال
ادائیں سب اپنی دکھاتی چلی
منحصب ہنسنے ظاہر سے دلیں چاہ
یہ ہے کون کس بخت آیا یہاں
یہ کہتی ہوئی آن کی آن میں
دیا ہاتھ سے چھوڑ پر وہ شباب

نہ چوڑا لکڑی کر

تس اوپر وہ چوئی کا پڑنا ویاں
کہ جوں ہو دے دریا پہ کالی گھٹا
بہت دل لیے اُس سے کنگھی مانگ
کہ مشاطہ کا سر پہ احسان ہے
بھلے کو رکھا اُس نے ڈھیلا ہی تیج
جو چاہتے کرے وہ سیاہ و سفید
کرے خون دل اپنا اُسکو معاف
شفق کا نہیں شام پر خون بہا
کہ تھوڑا ہی سہا انگ در بڑی ہر تہات
ولیکن یہ ہو عرض میری قبول
گھٹانے کی جاگہ نہ تھی درمیان
ہوئی ہر مری فکر مجھ پر و بال
ساں ایک تازہ دکھاتا ہوں میں
تو گویا کہ مارا محبت کا جال
پھبیا منہ کو اور مسکراتی پئی
تہاں آہ آہ اور عیاں واہ واہ
میں اب چھوڑ گھر اپنا جاؤں کہاں
چھپی جا کے اپنے وہ دالان میں
پھبیا ابر تار یک میں آفتاب

مشاطہ کنگھی کرنے والی عورت، حجاز اور عورت جو بناؤ سنگی رکاتی ہے۔

کہ اتنے میں آئی وہ دخت وزیر
مجھے چوٹے چلے تو خوش آتے نہیں
مرئی طنز تک دیکھ تو اسے اسے
کیا ہے اگر تو نے گھائل اسے
کہتے اک خط اٹھا زندگانی کا تو
مے عیش کا جام اب نوش کر
یہ سن و جوانی یہ جوش و خروش
کہاں یہ جوانی کہاں یہ بہار
سدا عیش و دوراں دکھاتا نہیں
بھی یوں تو دنیا کے ہیں کاروبار
خوشادہ زمانہ کہ دو اک جگہ
کہاں چاہ واسے ہیں یوسف عزیز
ترے گھر میں آیا ہو ہماں غریب
شبلی سے مجلس کو تیار کر
بلا ساقیان گل اندام کو
شب و روز پی ملے جام شراب
یہ سن سن کے ذہ ناز میں مسکرا
میں سمجھی ترا جی گیا ہے ادھر

لگی ہنس کے کہنے کہ بدر منیر
ترے ناز سجا یہ بھاتے نہیں
مثل ہو کہ سن بھاتے منڈیا ہلا
تو مت چھوڑا ب نیم بسل اسے
مزا دیکھ اپنی جوانی کا تو
غم دین و دنیا فراموش کر
غفور رست ایزد تو ساغر نوش
یہ جون کا عالم بھی ہے یادگار
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
وے حاصل عمر ہے وصل یا ر
کمریں یکدگر جلوہ ہر دم
اری باؤنی چاہ میں مگر تیز
یہ ہی وادایت عجیب و غریب
تو اس گل سے گھر شک گلزار کر
گھر ساتھ گردش میں لا جام کو
مہ و مہر کو رشک سے کر کباب
لگی کہنے اچھا بھلا رہی بھلا
برائے تو کرتی ہے کیوں مجھ پھر

سہ چو چلا ناز خیرے کی باتیں اسے من بھاکے سٹایا ہلا سے یعنی جی چاہے اور انکار کرے

سہ تک اک - ذرا اک - ۱۲ -

<p>لگی کہنے منہ منہ کے دہ ماہوش بچتی پر تو چھڑکا تھا تنہا گلاب یہ آپس میں رمز کی باتیں ہوئیں بلا لائی جا اس جو ان کے تئیں بلا اک مکاں میں بٹھایا اُسے پھر اس ناز میں نے پکڑا اُسکا ہاتھ</p>	<p>ہوئی تھی اُسے دیکھ میں ہی تو غش بھلا میری خاطر بلاؤ شباب اشارہ کی باہم جو کھاتیں ہوئیں کیا میزبان یہ مان کے تئیں محل کا سماں سب دکھایا اُسے بٹھایا ہی لا آخر اُس گل کے ساتھ</p>
--	---

ادنیس نے دیکھ کر اس کا حال دیکھا

داستان ملاقات کرنا بد منیر کا بنیظیر سے

<p>پلا ساقیا مجھ کو صباے عیش ہم ملے بیٹھے ہیں دور شک و ہر اک برج رشک گلستان ہو آج بزور اُسکو لا کر بٹھایا جو وہاں وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے منہ آنکھوں سے اپنا چھپاے ہوئے پسینا پسینا ہوا سب بدن گھڑی دو تھک وہ نہ د آفتاب انھوں کے رُکے بیٹھنے سے خفا گلابی کو لا اُسکے آگے دھرا کہا شاہزادی کو بیٹھی ہے کیا</p>	<p>ملی ہے نصیبوں سے یہاں جا عیش قرآن نہ دھرے اس جگہ بہار وصال غریبان ہو آج نہ پوچھ اُس گھڑی کی ادکابیاں بدن کو چرائے ہوئے ناز سے بجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے کہ جوں شبہم آلودہ ہو یا سمن رہے شرم سے پائے بند حجاب ہوئی دلیں اپنے وہ نجم النساء پیالے کو پھر جلد اُسے بھرا یہ پیالہ تو اس بت کے منہ سے لگا</p>
---	---

پسینا

اے قرآن نجوم کی اصطلاح میں دو سو ستاروں کے باہم اتصال کو کہتے ہیں ۱۲ سی

ذرا میری خاطر سے سنیں بول تو
 میں صدقے ترے تجھ کو میری قسم
 یہ دیکھ اسکی منت پیالہ اٹھا
 کہا بادہ نوشی سے ہو جکو ذوق
 کہا شاہزادے نے ہنس کر کے یوں
 غرض ہو کے آپس میں راز و نیاز
 پھر آخر کو شاہزادے نے بھی اٹھا
 جب آپس میں چلنے لگے جام مل
 ہوئی یکدگر پھر تو تفتیش حال
 کھلا بند جس دم در گفتگو
 کہی ابتدا سے جو گذری تھی سب
 پری کا بھی احوال بظاہر کیا
 کہا اک پہر کی ہو رخصت مجھے
 پس دل ہی دل بیچ کھانچ و تاب
 مرد تم پری پر وہ تم پر مرے
 میں اس طرح کا دل لگاتی نہیں
 میں سمجھی ہوں تم کو بہت دور ہو
 عبت تم سے کیوں دل لگاؤں کوئی
 بہ شمع ساں کیوں کوئی اشک سے

لب لعل شیریں کو ٹک کھول تو
 کئی سا غراس کو بلا دمدم
 ادھر سے پھر امنہ کو اور مسکرا
 پیے پیہ پیالہ نہیں اسکا شوق
 بیوں میں کسی کے نور سے کیوں
 پیے دو پیالے بصد امتیاز
 پیالہ بھرا اور اُس کو دیا
 مندے غنچے ساں دل کھلے مثل گل
 لگی ہونے آپس میں قال و قال
 جوں نے حقیقت کہی موبو
 جتا یا سب اپنا حسب و نسب
 چھپے راز سے اسکو ماہر کیا
 زیادہ نہیں اس سے فرصت مجھے
 دیا شاہزادی نے اُسکو جواب
 بس اب تم ذرا مجھے بیٹھو پرٹھے
 یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہیں
 چلو اب کہیں یہاں سے کا فور ہو
 بھلے تنگے دل کو جلاوے کوئی
 جلے کس لیے آتش رشک سے

۱۔ شاہزادہ۔ منت سماجت احسان۔ ۲۔ لے نیکلہ سے بھی بولتے ہیں اسی لے پرے۔ ۳۔ ادھر ۱۲

یہ سن پاؤں پر گر پڑا بنظر
کوئی لاکھ جی سے ہو مجھ پر فدا
کہا چل سراپنا قدم پر نہ دھر
بہ رمز و کنائے جو ہونے لگے
ہی آخرش دل ہی کی دلیں بات
خبر رات کی سن اٹھا بے نظیر
اگر قید سے چھوٹنے پاؤں گا
یہ مست کھجیو ہوں میں آرام میں
دل اس جا سے اٹھنے کو کرتا نہیں
اکرم مجھ پر رکھو ذرا میری جاں
یہ کہ اس طرف وہ روانہ ہوا
گیا اپنے معمول سے بے نظیر
پری ساتھ کاٹی وہ جوں توں کے رشتہ
سناں شب کا آنکھوں میں چھایا ہوا
اٹھے جو کوئی وصل کا دیکھ خواب
نئی بات کا لطف پانا غضب
قلق دل پہ یعنی کٹے روز کب
محبت میں زلفت یہ تمام کی

کہا کیا کروں آہ بدر منیر
میں تجھ پر فدا ہوں مجھے اس کی کیا
کسی کے تجھے جی کی کیا ہے خبر
تو آپس ہنس ہنس کے رونے لگا
پہر بھر گئی اتنے عرصے میں رات
کہا اب میں جاتا ہوں بدر منیر
تو پھر آج کے وقت کل آؤنگا
کروں کیا پھنسا ہوں عجبے ام میں
کوئی آپ سے آپ مرتا نہیں
میں دل چھوڑے جاتا ہوں پناہ
دل اس طرف اسکا روانہ ہوا
اودھ کا ہوا قیدی اودھ را سیر
اٹھا صبح ملتا ہوا اپنے بات
مزدہ دل میں سارا سمایا ہوا
نہ ہو وصل اور دل کو ہو اضطراب
وہ پہلے پہل دل لگانا غضب
لے مجھ سے شمع شب افسردہ کب
لگا دیکھنے رات پھر شام کی

دل کرنا دل چاہتا۔ قدیم محاورہ ہے۔ نواح دہلی میں اب بھی بولتے ہیں۔ گھوڑوں میں

دل کرنا ہمت و جرات کرنا کے معنی میں بولتے ہیں۔ ۱۲-۱۱

نوحہ کرنا۔ دل چاہنا۔

نہ اس پر

نہ اس پر

اُسے کا بُنا دن قیامت ہوا
کہا میں نے کہ مختصر جس طرح
ہو ا طرف ثانی کا کیا حال داں
گھڑی جو کٹی سوالم میں کٹی
ہوئی یاد میں صبح رخسار کی
لبوں پر ہنسی لیک چہرہ اُداس
لگی کہنے جی چاہتا ہے حرا
مجھے حُسن کی اپنے دکھلا بہار
کہیں بات اپنی بگانی نہ ہو
وہ ہے کون جسکو دکھاؤں بہار
یہ شکل اُسکو پہلے ہی منظور تھی
کہ دو دن کی سیج مچ ہو جیسے نئی
شب ماہ ہو دیکھ کر جس کو دناگ
سواد دیاں بدخشاں کی شام
کہے تو پڑی زگستاں میں شب
کھنچی ہاتھ کافر کے ہمشیر سی
کہ جوں دامن شب شفق کے ہو ہاتھ

وہ دن ہجر کا اُدھر شامت ہوا
ادھر کا تو احوال تھا اس طرح
دلے اب سنو تم اُدھر کا بیاں
وہ شب اسکو اندوہ و غم میں کٹی
رہی صورت آنکھوں میں جو یار کی
کچھ امید جی میں کچھ اک جی کو یاس
لگا اُسکو باتوں میں نجم النساء
کہ تو آج کر خوب اپنا سنگار
لگی کہنے چل رہی دوانی نہ ہو
کروں کس کی خاطر میں اپنا سنگار
غرض شاہزادی بہت دور تھی
نہا دھوکے اُس روز ایسی نبی
وہ گھڑے کا عالم وہ کنگھی کا رنگ
وہ مہی وہ اُسکے لب لعل فام
وہ آنکھوں کا عالم وہ کاجل غضب
ستم تس پہ سرمے کی تحریر سی
لکھو ٹما وہ پانوں کا مہی کے ساتھ

۱۱- بی۔ دھن ۱۲- زگستاں۔ زگس زار۔ زگس کا جنگل۔ زگس کا تختہ۔ زگس
کو آنکھ سے تشبیہ دینا مسلمات سے ہے ۱۲- لکھو ٹما۔ پان کی وہ سرخی جو عورتیں
ہونٹوں پر جلاتی ہیں ۱۲- اسی

وہ پشوار اک ڈانک کی جگہ کی
 اور اک اور ٹھنی جانی مقیش کی
 جو دیکھے وہ انگیا جو اہر نگار
 وہ بار یک گرتی مثال ہوا
 ڈانک سرخ نیچے کی اُبھری ہوئی
 جھلک پانچاے کی دہن سے یوں
 متفرق زری کا وہ شلو آر بند
 پڑی پاؤں میں کفش زریں نگار
 لگا پائے وہ نازیں تا بہ فرق
 گٹھی ہوئی ترکیب اور وہ بدن
 وہ چھٹ تھتی اُسکی نزاکت نہاد
 بھری مانگ موتی سے جلوہ کناں
 وہ ماتھے پہ ٹپکے کی اُسکے جھلک
 ہوس ہو نہ دیکھ اُسکے زیور کو پھر
 وہ باسے کی تابندگی زیر گوش

لے ڈانک نہاد دہلادرق جو ٹپکے وغیرہ کے نیچے اس لیے رکھتے ہیں کہ چمک دکھ پیدا
 ہو اس سے معلوم ہوا کہ کپڑے کے نیچے بھی ڈانک لگاتے تھے ۱۲ شہ ڈانک چناؤ۔ اُبھار
 چمک دکھ ہلکی سی یوں ۱۲ شہ شلو آر بند ازاد بند ۱۲ شہ سارہ وہ گول گول نہرے رو پہلے
 چاند جو تپوں وغیرہ میں لگاتے ہیں ۱۲ شہ چھب تھتی جسم کی خوبصورتی، لگات جسم کی بناوٹ
 ۱۲ شہ ٹپکا سر جو نا بجائے سر سر اہوا استعمال کیا ہے ۱۲۔ اسی

وہ صبح گلو مطلع آفتاب
کہ سورج کے آگے ہو جیسے کرن
رہے آنکھ سورج کی جس پر تھکی
رہیں دل جاں سر ٹپکتے ہوئے
تصور رہے جس کا دل سے لگا
کہ جوں گل سے ہوا شاخ زیب چمن
نزاکت میں تھی شاخ گل سے دو چمن
سدا لشک خونی ہو جس پر نثار
کہ اکھوں سے دل نہ کھاتے تھے گل
وہ ڈوبا ہوا عطر میں پیر بہن
زمانہ گیا اُسکی بوسے مہاک
ہوئے ہر دم اُسکے منہ پر نثار
لیا ہاتھ مشاطہ نے اپنا چوم
تامی کے پردے لگائے تمام
مرصع کا اُسپر اڑھا کر غلاف
نہ نکلیں سولا کر چنے طاق میں
کہ لجاوے بواؤں کی گل پر شرف
ہوا ہو گئی عطر دالان میں ۶

وہ پیرے کا تیکہ بصد آفتاب
وہ تیکے پہ چنپا کلی کی پھین
وہ چھاتی پہ الماس کی دھک لہ کی
وہ موتی کے مالے لٹکتے ہوئے
وہ الماس کی ہیکل اک خوشنما
وہ بھیند بازو کے اور نور تن
وہ پونجی زمرہ کی اور دست بند
وہ لعلوں کی بازرب آویزہ دار
وہ مینے کے پاؤں میں چھلے تھے کل
وہ بالوں کی بوڑھک مشک ختن
زیریں سے معطر ہوا تا فلک
کیا اس طرح کا جب اُسے سنگار
فلک تک گئی حسن کی اُسکے دھوم
خوشوں نے گھر کو دیا انتظام
بچھا فرش اور کرچھر کھٹ کو صاف
وہ نرگس کے دستے جو آفاق ہیں
ولایت کے میوے دھڑے ہر طرف
دھڑے لٹکتے خاص ایوان میں

۱۲۰۰ دھک لہ کی گئے کا ایک زیور ۱۲۰۰ بھیند بازو کا ایک زیور ۱۲۰۰ دست بند کلائی کا ایک زیور
۱۲۰۰ لٹکتے مر کب خوشبو میں جو مجموعہ کے طور پر تیار کرتے ہیں ۱۲۰۰ سی

<p>چنی اک طرف ڈالیوں کی قطار وہ باہر کے دالان میں جا بجا اور اُس پر تاحی کے تکیے لگا قرینے سے اُس میں رکھے ہار بان انوکھی گھڑت کے کئی چو گھڑتے ظہوری نظیری کا کل انتخاب پر از شعر سودا و میر و حسن قرینے سے زیر چہر کھٹ دھرا دھری جوڑ اک طرف کو غم تراش کریں دیکھ کر غش جسے بادہ نوش دھرا اُسے ساتی نے کر انتخاب کہ ٹھٹھے نہیں منہ لگائے ہوئے کہ رکھو تو خاصے کو تیار کر خرا ماں ہوئی سرو نو خاستہ ولیکن چھڑی دہ کہ جگنو جڑ ہی کہ چھپ جائے سورج اُسے دیکھ کر</p>	<p>دھریں کشتیاں اک طرف ہتیار اجار اور مربے دھریے خوشما چھپر کھٹ کے پاس ایک مند بچھا چنگیریں بنا اور رکھ پاندان کئی عطر دان وال مرصع دھریے سر ہانے مجلد دھری اک کتاب دھری اک بیاض اور رشک چین قلدان بھی اک نزاکت بھرا دھرا اک طرف گنجفہ خوش قماش بچھی ایک چوکی پڑا تورہ پوش صریحی و ساغر شراب و کباب و لے اُسکو رکھا چھپاتے ہوئے کہا خاصہ پنہ کو خیر وار کر یہ سب کچھ ہو جب کہ آراستہ سر شام لے ہاتھ میں اک چھڑی روش پر لگی پھر نے ایدھر اُدھر</p>
--	---

چنگیریں بنا اور رکھ پاندان

۱۵ چنگیر بھولوں کی ڈلیا ۱۲ ۱۵ چو گھڑا، ایک قسم کے چو گوشہ صندوتھے جس میں ڈلی الہی
دغیرہ رکھتے ہیں ۱۳ ۱۵ چو پڑ - بھسی ۱۲ ۱۵ تورہ پوش - ایک قسم کا خوان پوش ۱۲
۱۵ خاصہ پڑ - شاہی باد پچی ۱۲ - اسی

داستان بنظیر کے آنکی اور باہم ملاقات کرنے کی

دعوت

نہاں تھا

تک کے

نہاں تھا

نہاں تھا

نہاں تھا

کہ اب ہجر سے تنگ ہے میرا حال
 ہوئی شام بارے تو چھوٹا اسیر
 کہ اک دن میں جوڑے کو دھانی رنگا
 بنا جلد جلد اور پہن تنگ حسرت
 وہ گل اسطرح ہو کے رشک چین
 ہوا آسمان پر ہوا ایک بار
 کہ جس جاخزاں تھی وہ شکمہ
 ہوئی جا درختوں کے اوجھل کھڑی
 تو دیکھا عجب رنگ سے وہ جوان
 چھپا سبزے میں چاند سا ہے کھڑا
 نکالا ہے منہ کھیت سے دھان کے
 زمر میں جوں جلوہ آفتاب
 ہوئی اور جلنے کی آتش کو ہوا
 کہا ایک ہمرانہ نے آن کے
 جہاں حکم ہو جا کے بٹھلائے
 ادھر سے تو دوں ہو کے لیجا دیاں
 چھپا اُس کو لاکر بٹھا یا شباب

پلا مجھ کو ساقی شراب وصال
 تڑپتا تھا ادھر جو وہ بے نظیر
 پر اُس نے بھی اتنا تکلف کیا
 تمامی کی سجات سے سرگردست
 پہن لعل دیا قوت کے نور تن
 فلک سیر پر ہوش تابی سوار
 یکا یک جو وارد ہوا اُس جگہ
 نظر نازنیں کی جو اُس پر پڑی
 کیا چھپے عالم پہ جو اُس کے دھیان
 کہ دھانی ہو جوڑا نگلے میں پڑا
 کہ تو کہ شب چاند نے آن کے
 وہ حسن اور پوشاک اور وہ شباب
 سمان دیکھ اُس شعلہ حسن کا
 خواص میں جو تھیں ہٹ گئیں جان کے
 کہ اب کس طرف انکو لیجائے
 کہادہ جو آراستہ ہے مکان
 کہنے کے بموجب اڑا ہوا کرتاب

لے اوجھل نہوٹ میں آئی

وہ بیٹھا جو خلوت میں آئے نظر
اُسے دیکھ اُس نے تو پھر غش کیا
زبیں حوصلے نے جو تنگی سی کی
ایک ہاتھ منہ پہ کھینچا اُسے
الگی کہنے ہو ہی مرا چھوڑ ہاتھ
کہا ہاتھ پیاری جلا یا مجھے
اری ظالم اک دم تو تو بیٹھ جا
تڑپتا ہے کب سے پڑا میرا دل
غرض آخرش بعد راز و نیاز
ہوا پھر تو صبا لے گلگوں کا دور
ہوے جبکہ بدست وہ ماہر و
کہ دستے جو رنگس کے داں تھے ہزار
خواصیں جو یقیں رو بردہٹ گئیں
غرض رفتہ رفتہ وہ مدہوش ہو
لیا کھینچ اُنھوں نے جو پردہ شباب

اور ایدھر سے آئی جو بدر منیر
لباس اور زیور سے غش کیا
جیا عشق نے خانہ جنگی سی کی
محبت کے رشتہ میں اینچا اُسے
یہ گرمی ہے جس سے رہے اسکے ساتھ
رکھائی نے تیری ستایا مجھے
ذرا میرے پہلو سے تکیہ لگا
ذرا کھول آغوش اور مجھ سے مل
وہ مسند پہ بیٹھی بصد اتیار
ہوے اور ہی اور کچھ دانے طور
الگی اُنہیں ہونے عجب گفتگو
لگے ڈھانپنے آنکھ بے اختیار
بہانے سے ہر کام کے بٹ گئیں
چھپر کھٹ میں لیٹے ہم آغوش ہو
چھپے ایک جا وہ مہ و آفتاب

لے کسی چیز کی پسندیدگی سے وجد میں آنا ۱۲۔ ۱۳ خانہ جنگی لکھری لڑائی ۱۲۔ ۱۳ ایک نسخے
میں یہ شعر ہے ۱۴ کہا خاندان دے نے لے نازنین + رکاوٹ تھیں اتنی لازم نہیں + اور دہرا
شعر نہیں ہے تیرا شعر تڑپتا ہے ۱۵ موجود ہے ۱۶ خلقی میر تقی ۱۷ تڑپتا ہے کب سے الم کے بعد ایک نسخے
میں یہ شعر ہے ۱۸ اجازت نہ دیا تھا لیکن حجاب + کہ دیتی وہ اس بات کا کچھ جواب + اور دوسرا
شعر کا پہلا مصرع یوں ہے مگر آخرش الم یہ شعر بعض نسخوں میں مقدم و تاخیر ہو دھسرا لکھا ہے ۱۲ اسی

<p>در حُسن کے کھل گئے وہ کو اڑ ہوئے نخل امید سے وہ نہال دلوں سے ملے دل بدن سے بدن گئیں حسرتیں دل کی پامال ہو جلے نار و غمزے کے آپس میں ہاتھ کیسکی گئی چین ساری نیکل وہ گل نار سیدہ رسیدہ ہوئے کوئی سرخرو اور کوئی رو سپید نکل آئے بھرتے محبت کا دم گئے بیٹھ سند پہ خاموش ہو عرق میں ادھر غرق وہ معین کہ اتنے میں ادھر سے باجا پر ہوئی غم کی تصویر بد رمنیر نہ دیکھا ادھر آنکھ اپنی اٹھا پھر آؤں گا بولی کہ محنت رہو گیا تو وہ منہ پہ آنسو رواں لگے ہجر سے دل پہ آنے گز نہ کہ ہر روز آتا ادھر وقت شام در حُسن اور عشق کو کھولنا کبھی وصل میں بیٹھنا پھول پھول</p>	<p>لگی ہونے بے پردہ جو چہرہ بھاڑ لگے پینے باہم شراب وصال لبوں سے ملے لب بہن سے بہن لگی آنکھ سے آنکھ خوشحال ہو لگی جا کے چھاتی جو چھاتی کے ساتھ کیسکی گئی چولی آگے سے پل غم و درد دامن کشیدہ ہوئے اٹھے پی کے باہم شراب امید چہرہ کھٹ سے باہر رکھ اپنے قدم نقشہ سے وہ لذت کے بیہوش ہو کیے آنکھ نیچی ادھر نازیں یہ بیٹھے تھے خوش ہو کے باہم ادھر پہرے وہ بکتے اٹھا بے نظیر نہ بولی نہ کی بات نے کچھ کہا کہا مجھ سے پیاری نہ بیزار ہو خفا اسکے ہونے سے وہ نوجوان ہوئے دل جو دونوں کے آپس میں بند بندھا پھر تو سہول اُسکا دام پہ رات تک ہنسا اور بولنا کبھی ہجر سے اُن کو ہونا ملول</p>
---	---

داستان خبر پانا ماہر خ کا زبانی دیو کے عشق بنظر اور بد رمنیر سے اور قید کرنا بنظر کو

یہ دودل کو اک جا بٹھاتا نہیں
یہ ہے دشمن وصل دوسوز ہجر
جدائی اُنھوں کی خوش آئی اسے
کسی دیو نے دی پیری کو خبر
یہ سن کر وہ شعلہ بھبھو کا ہوئی
قسم مجھ کو حضرت سلیمان کی
کہا دیو سے دے مجھے تو پتا
کوئی ناز میں سی تھی اک اسکے ساتھ
قفص را اڑا میں جو ہو کر ادھر
یہ اڑتی سی اسکو خبر سن پڑی
تو کھا جاؤں کچا اُسے موت ہو
وہ اُسے تو آگے گرتے نابکار
ایسی قول و اقرار تھا میرے ساتھ
ہمارے بزرگوں نے سچ ہی کہا

کہ ہو چرخ اب درپے انتقام
کسی کا اسے وصل بھاتا نہیں
کرے ہو شب وصل کو روز ہجر
پھر اتنی بھی صحبت نہ بھائی اسے
کہ معشوق عاشق ہوا اور پر
لگی کہنے ہیں یہ بلا گیا ہوئی
ہوئی دشمن اب اسکی میں جان کی
کہا وہ کسی باغ میں تھا گھڑا
گھڑی تھی دبے ہاتھ میں اُسکے ہاتھ
وہ دونوں بچھے والے پڑے تھے نظر
کہا دیکھنے پاؤں اُسکو ڈر سی
لگی ہو میری اب تو وہ موت ہو
گریباں کو اُسکے کردوں تار تار
بہلا اُسکا دامن ہوا میرے ہاتھ
کہ ہیں آدمی زاد کل بیوقوف

اسی طرح کے ذال اب جائز نہیں سمجھے جاتے ہیں۔

غضبناک بھیجی تھی یہ تو ادھر
 اسے دیکھ غصے میں وہ ڈر گیا
 بلاسی وہ دیکھ اُسکے پیچھے پڑی
 تجھے سیر کو میں نے گھوڑا دیا
 الگ ہم سے یوں رہتا اور چھوٹنا
 چھلکا دیا تھکانے تو نے یہی
 پھر اچھے راتوں کو دلشاد تو
 مزہ چاہ کا دیکھ اپنی ذرا
 تجھے جی سے ماروں تو کیا لے غریب
 کہ چامو الم میں پھنساؤں تجھے
 یہ کہہ اور بلا اک پرینہ اد کو
 اسے کھینچتا یاں سے لیجا تاب
 کنواں اُس میں جو ہے مصیبت بھرا
 اسے جا کے اُس چاہ میں بند کر
 سرشام کھانا کھلانا اسے
 نہ دیکھو سوا اس کے جو کچھ کہے
 یہ سن دیو اُس گل کے نزدیک آ
 گری آپہ جو آسمانی بلا
 ہو ایوں جو اُس بخت از دل کا اوج

کہ اتنے میں آیا وہ رشک قمر
 کہے تو کہ جیتے ہی جی مر گیا
 کہا سن تو اسے سو ذی دہری
 کہ اُس مالزادی کو جوڑا دیا
 یہ اوپر ہی اوپر مرنے لوٹنا
 بھلا اُسکا بدلہ نہ لوں تو سہی
 گرے گا دنوں کو بہت یاد تو
 جھٹکاتی ہوں کیسے کنویں رہ بھلا
 دے چاہتے ہیں یہ تیرے نصیب
 ہنسنا ہے تو جیسا زلاؤں تجھے
 کہا سنو اسکی نہ فریاد کو
 وہ صحرا جو درد و محنت کا باب
 کئی من کا پتھر ہو اُس پر دھرا
 وہی سنگ پھر اُسکے منہ پر تو دھر
 اور اک جام پانی پلانا اسے
 یہی اسکا معمول دائم رہے
 کپڑا ہاتھ اُس کا فلک پر اڑا
 دل اُس نازنیں کا ہوا ہو چلا
 چلی آہ و نالہ کی ساتھ اُسکے فوج

اسے دروازہ ہمارا آگیا ہوا ہونا مراد بقیہ راہ ہونا۔ جاتا رہتا غائب ہونا اس کے دلوں میں گہشت

کہا دل یہ رتبہ جو کچھ آج ہے
کیا بند پھر جا کے اُس چاہ میں
وہ یوسف کنویں میں ہوا جبکہ بند
کھلے اس کنویں کے یکایک نصیب
منور وہ گھر اُسکا سارا ہوا
وہ اندھا بیڑا تھا سوروشن ہوا
وہ پاؤں جب اُسکا تہ پر گیا
زمین میں سما یا میجر سے آب
ہوا داں سے اوپر گئی کانپ کانپ
دل اُس ناز میں کا ڈھڑکنے لگا
اندھیرے آجائے نہ نکلا تھا جو
نکلنے کی سوچی نہ داں اُسکوراہ
اندھیرے نے اُسکا کیا دم خفا
فقاں کی بہت اور پکارا بہت
پکارا وہ جس قس کو فریاد کر
نہ مونس نہ غمخوار اُس کا کوئی
وہی چاہ تار یک اُسکا رفیق
ہوا بھی نہ داں جس سے وساز ہو
نہ اُن کی ہر بات اُسکا ہر دم ہے

یہی عشق کی جان معراج ہے
کنواں وہ جو تھا قاف کی راہ میں
ہوا اُس سے پستی کا رتبہ بلند
کہ آیا وہ اُس میں نہ دلفریب
کنویں کی وہ چلی کاتارا ہوا
جواں اُس میں وہ سانپ کا من ہوا
کنواں اُس کے اندوہ سے بھر گیا
گئے سوکھ اُنسو کنویں کے شباب
کنویں نے لیا سنگ سے منہ کو ڈھانپ
جگر ٹکڑے ہو کر پھٹ کر گئے لگا
ہوا قید آس اندھیرے میں وہ
ہوا اُسکی آنکھوں میں عالم بیاہ
کہ جوں لے سیاہی کسی کو دیا
سر اپنے کو ہر طرف مارا بہت
نہ پہونچا کوئی کارواں بھی ادھر
نہ تھا جز خدا یا ر اُس کا کوئی
وہی سنگ سر پہ بجائے شفیق
کنویں کی سننے کو آواز کو
جواں سے سننے وہی آواز ہے کہ

سنا کنویں اسورہ غباری آہی۔

کنواں اسکو پوچھے وہ بوجھے اُسے
سیاہی میں وہ تجھ سے کافر کا دل
نہ شب کی سیاہی نہ داں و نکا نور
غم دور و آفت کو کھا کھا جیسے
اس اندھیر کو کیا لکھوں اب میں
نہ تھا وہ کنواں تھا ستون الم
کردل مختصر یاں سے اب غم کی بات
نہیں غلطی سو بھتی اب اُسے
پھنسا اس طرح سے جو وہ بنیظر
بہم دو دلوں میں جو ہوتی ہو چاہ
خلق داں جو گذر تو یاں غم ہوا
کئی دن نہ آیا جو دہ رشک ماہ
لگی کہنے نغم النساء سے ہوا
کہا اُس نے بی تم کو سودا ہے کچھ
خدا جانے کس فعل میں لگ گیا
وہ رہ رہ کے نکو دلاتا ہے چاہ
رکے جو کوئی اس سے زک جائے
نفول بھلا کچھ نہ لا کر و
یہ سن تپ رہی دلیں کہا بچ و تاب

اندھیری سوا کچھ نہ سو بچھے اُسے
صورت میں اُس سے جہنم خجل
سدا ظلمت غم کا اُس جا طور
لہو پانی اپنا کنویں میں پیے
قلم کے نکلتے ہیں اُس سیاہ
نشان شب آفت دور و غم
لگا رہنے اس میں وہ آب حیات
نکالے ذرا دیکھے کب اُسے
بڑی بیقراری میں بدرخیز
تو ہوتی ہو دل کے تئیں دسے راہ
رکاجی وہاں یاں خفا دم ہوا
نظر میں ہوا اسکی عالم سیاہ
خدا جانے اُس شخص کو کیا ہوا
وہ معشوق ہو اسکو پردا ہو کچھ
مری چوڑھ ہے اتنا بھی ہونا خدا
عبت آپ کو مت کر دم تباہ
جھکے آپ سے اُس سے جھک جائے
ذرا آپ کو تم سنبھالا کرو
دیا پھر نہ اس بات کا کچھ جواب

۱۷ صورت یعنی ۱۷ غلطی۔ رانی پھنکا را ۱۷ غلطی۔ غال نکالنا ۱۷ اُس

گئے اُسے جب دن کسی اور بھی
 دوانی سی ہر طرف پھرنے لگی
 ٹھہرتے نگا جان میں اندراب
 آپ ہجر گھر دل میں کرنے لگی
 مخا زندگانی سے ہونے لگی
 تب غم کی شدت سے پھر کانپ کانپ
 نہ اگلا سا ہلستا نہ وہ بولتا
 جہاں بیٹھنا پھر نہ اٹھنا اُسے
 کہا اگر کسی نے کہ بی بی چلو
 جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے
 کسی نے جو کچھ بات کی بات کی
 کہا اگر کسی نے کہ کچھ کھائے
 کسی نے کہا سیر کیجیے ذرا
 جو پانی پلانا تو پینا اُسے
 نہ کھانے کی سدھ صا در نہ پینے کا ہوش
 چین پر نہ ناکل نہ گل پر نظر
 نہفتہ اُسی سے سوال و جواب
 جو آجائے کچھ ذکر خیر و سخن

دود

تو کہ میرے سیر کے دل

لے کر اٹھنا اور نہ جانے

عزل

یہ کیا عشق آفت اُٹھانے دگا
 مرے دلو چھ سے پھڑا لے لگا

نہیں تو مرا جی ٹھکانے لگا مراد دل سی مجھ کو ڈبانے لگا کہ جسکے عوص یوں رُلانے لگا مراد دست مجھ کو ستانے لگا	ملا میرے دلبر کو مجھ سے خدا گنہ چشم خونبار کا کچھ نہیں ٹھکانے تو اتنا ہنسنا یا نہ تھا نہیں مجھ کو دشمن سے شکوہ نہ
اسی ڈھب کی بڑھنا کہ ہو میں رد نہیں تو کچھ اسکی بھی خواہش نہیں نہ ہو دل تو پھر بات بھی ہو غضب کہاں کی رباعی کہاں کی غزل	غزل یا رباعی دیا کوئی فرد سو یہ بھی جو مذکور نکلے کہیں سبب یہ کہ دل سے تعلق ہو سب گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل

داستان بدر منیر کے غم و اندوہ کی اور عیش بانی کے
یلا نے میں

یلا سا قیسا کیتکی کی شراب کہ دیکھوں میں کیفیت بوستان کہ دنیا میں تو ام ہیں شادی و غم کہا جاسکے دیکھوں چین کو ذری	گلابی میں غنچے کی جھ کو شباب پالے میں نگس کے دیے میرنگیاں حکایت کروں ایک دن کی رقم اٹھی سوئے اکٹ نہ رشک پری
کہ غم نے کیا ہے بندھ مفضل ہوا پھر ہوئی اس کو گلزار کی چلی اُنھ کے دالان سے سیر کو	مگر غنچہ سال کچھ کھلے میرا دل نہیں گل سے آتی ہے دوبار کی پھر اک دن ہوا ہے کہ متھ ہاتھ دھو

یہ جو ناکارہ لگا جی کو سکون دے۔ یہاں کی ناکارہ۔ یہاں بہت زیادہ ہے خواہش ۱۲۔

<p> وہ بھی عجب آن سے دلربا اور اک پاؤں مونڈھے سے لگا دیا زبان ثنا و صفت میں جسکے لال نہ ہو ایسی کیفیت پائیں باغ سنہری شفق جسکو ہو دیکھ دنگ زری کی ہلکی جیسے مغل پہ توڑ پڑی تھی عجب ڈھب سے چین چین وہ جو بن کے عالم کی سرسائیاں وہ سینے سے اُسکے گونگا اُتھار وہ چھب تختی اپنی کو دیکھ اٹھنا کہ لالے لی بنی تھی اُس میں پڑی مغرق زری کا وہ بچہ تمام یہ سب اُسکے آگے تھا گویا کہ سچ نکالے تھی پردے سے دود جگر کسی کی کوئی جیسے سکتا ہو راہ جو تھیں اپنے عہد سے یہ حاضر کش کوئی لے چنگیر اور کوئی پار پان لباس اور زریہ سے ہر لک بہت </p>	<p> زمرہ کا مونڈھا چمن میں بچھا کہ زانو یہ اک پاؤں کو دھر لیا نہ پوچھ اُسکے پائے نگاریں کا حال کنگہ اور خندق سے لالہ کو داغ طلائی کرے اور کنگہ کا دہ رنگ جواہر کے چھلے بھرے پور پور زبس سوئی اٹھٹی تھی وہ نازنین خاری وہ انکھیاں وہ انگڑائیاں جوانی کا موسم شروع بہار نشے میں وہ اُسٹن کے بیٹھنا خواص ایک حلیے تھی کھڑی وکٹیشہ کا حقہ مرصع کا کام وے ایک اسپر پڑا تھا جو بیچ لب نازک اوپر وہ مثال دھڑ ادھر اور ادھر ہر طرف تھی نگاہ خواہیں کھڑی اُسکے سب گرد و پیش سا کوئی سوڑھیل لے کوئی پیکے ان ریلی چمیلی بنی تنگ و چیت </p>
---	--

لے کنگ - ایڑی ۱۲ لک کا تو رقیہ - اگوٹ جو کپڑوں کے کنارے برقی ہو ۱۲ اسی

لے کنگ - سینہ - چھاتی ۱۲ اسی

گھڑی نہی آنکھیں کیے باادب
وہ آنکھیں کہ کرتی تھیں جیدھنگاہ
کئی بہدم اُسکی جو تھیں ماہر و
برابر برابر ادھر اور ادھر
سماں اُس گھڑی کا لکھنوش کیا میں آہ
عجب حسن تھا باغ میں جلوہ گر
چمن اُس گھڑی برسرِ جوش تھا
زبس عطر میں تھی وہ ڈوبی ہوئی
سُطر ہوا اور گل کا دماغ
پڑا عکس اُسکا جو طرب چمن
درِ خوں پر اُسکی پڑی جو چھلک
ہوئی اُسکے بیٹھے سے گلشنِ کوثر
چمن نے جو اُس گل کی گلیں بہار
گل و غنچہ دلالہ آپس میں مل
گئی جی سے بلبل کے گلشن کی چاہ
ہوئے داں کے آئینہ دیوار و در
کہ اتنے میں کچھ جی میں جو آگیا
اری ہے کوئی یاں ذرا جائیو
عجب وقت ہو اور عجب ہر سماں

اسی شرم سے پر قیامت تھنوب
اُدھر غش میں آتے تھے بہ بون گاہ
بجھائے ہوئے گریباں سو سو
وہ گرد اُسکے بیٹی تھیں بالیکہ گر
ستاروں میں اُسکے نظر جیسے آہ
کہ ہر گل کی تھی اُسکے منہ پر نظر
گل و غنچہ جو تھا سو یہوش تھا
دو بالاہر اک گل کی خولی ہوئی
کہ چکا تمام اُسکی خوشبو سے باغ
ہوا لالہ گل اور گل نسترن
زمر و کودی اور اُس نے چمک
گیا اُڑ عبا کا بھی صبر و شکیم
ہوا دیکھ اپنے گلوں کا فنکار
تے کہنے اس باغ کا سب یہ دل
ہوئی سر کی شکل قمری گراہ
وہ سب کے دل میں ادنیٰ جلوہ گر
اداسے لگی کہنے وہ دل رہا
مری عشق بانی کو بے ایو
کرے دد گھڑی اُسکے خبر آہیاں

لے بیٹہ کرگہ بھاننا ۱۱ عید باری آسی۔

<p>کوئی دم تو داغ جگر پھول ہو جلے ہے جگر دل نکلتا نہیں ایسا عیش بانی کو اُسے پکار کہ جانے لگا ہی مسلمان سے کہ مٹی میں پاؤں کہیں کا کہیں نشے میں بھجھو کا سا چہرہ بنا کہ بدلی ہو جوں مہ کے ایدھ اودھ کو منہ پر مٹی گویا قیامت کی تہ کسے تو کہ تھا مہ کے ہالا پڑا وہ گنجا اب کے بند رہے ازار کمر کی لچک اور مشک کی مہ چال کناروں پہ مینا بنیت کا درست وہ مسکی ہوئی چولی انداز کی وہ پاؤں میں سونے کے دودھ کرٹ کرٹ سے کرٹ کو بجاتی ہوئی کہ عالم تھا اک آئینہ دل باختہ لیے ساتھ ساتھ اُسکے سب پناہ ساز</p>	<p>خفا ہوں حراجی بھی مشغول ہو کسی طرح سے دل تو لگتا نہیں یہ سنتے ہی وہ ڈری گئی اک نگار وہ آنے لگی کا فراس آن سے عجب چال سے وہ جلی نازیں وہ خلقت کی گرمی وہ ڈوٹ پنا لیٹیں منہ پہ چھوٹی ہوئیں سرسیر وہ بن پونچھے ہوئے مٹی کی مٹی غضب نقطہ کان میں ایک ہالا پڑا وہ پشواں اگر تھی وہ گرس کا بار جگر مہ پر جو را پڑی زرد شال وہ شبنم کی انگیا بنی تنگ چست وہ اٹھتی ہوئی چھینچ پشواں کی وہ منہ دی کا عالم وہ توڑے پھڑپھڑ پلی وال سے واسن اٹھاتی ہوئی عجب ایک عالم تھا بیاختہ کئی کافرین اور بھی دل نواز</p>
--	---

۱۷۷۷ء حسین یعقوب ۱۷۷۷ء ڈوسری ۱۷۷۷ء اگر کشنی رنگ ۱۷۷۷ء کرب
کی لمبی چٹ پر تقری اور طلائی تاروں کا کام۔ مینا مرصع کاری ۱۷۷۷ء
۱۷۷۷ء چین۔ فلک ۱۷۷۷ء

<p>کھڑی واں ہوئیں ایک انداز سے ادب سے وہاں بیٹھیاں دور دور لیے ساز اپنے سبوں نے اٹھا ہر اک تھاپ میں دل لیا سب کا ایچ نکلنے لگی جان ہر تان سے کہ بیکل تھی بہر تان آواز سے مسلسل تھی اک پھل پھڑی نور کی کھلی اور منڈی دل کو مرغوب تھی عجب طرح کی بندھ گئی تھی ہو ا وہ گلشن کی خوبی وہ دن کا سماں سہانا ہر اک طرف سایہ ڈھلا وہ دھانوں کی سبزی وہ سرسبز کا ادب رو پہلے نہرے درق صبح و شام وہ آنکھوں کے ڈورے شے کی تنگ</p>	<p>چلیں ایک اغلا ز اور ناز سے روش پر جو تھا قرش اس کے حضور ہوا حکم گوری کا جو بر ملا دیا آسمان پر جو جلوں کو کھینچ گئی گمانے پتہ وہ اس آن سے عجب تال پڑی تھی انداز سے وہ تھی گنگر تھی یا لڑی نور کی گل و غنچہ کی طرح محبوب تھی غرض کیا کہوں اسکا میں اجرا وہ گانے کا عالم وہ حسن بیاں کھڑی چار دن باقی اسوقت تھا درختوں کی کچھ چھانٹوں دیکھ وہ ہو پیٹے ہوئے پستوں پر تمام وہ لالے کا عالم ہزار بیکار رنگ</p>
--	---

لے بظاہر غرض سے معلوم ہوتا ہے لیکن اغلا ز در اہل عجب کو ناجلی کھانا ۱۲ سلہ گوری۔ ایک
 راگنی کا نام یہ رات کو وہ بچے گائی جاتی ہے اور اسی وقت سوہنی برج بھی گاتے ہیں ۱۱
 سلہ ایک راگ کا نام ۱۲ سلہ تان گانے کی لمبی اور بلند آواز ۱۲ تھی
 ۱۵ گنگری گوہوں کے گانے میں جو غنچہ مسرتے ہیں اسی کو گنگری کہتے ہیں ٹرکی بھی
 اسی اغلا ز کی چیز ہے اس کو نعرہ اور دانا بھی کہتے ہیں۔ ٹرکے چٹکے ۱۲ عہ جمع سنو کہ ۱۲
 عہ آسمان پر جلوں کو کھینچا۔ پیلے کا ٹر پڑھانا ۱۲ اسی

گلہابی سے ہو جانا دیوار و در
 وہ چادر کا چھٹنا وہ پانی کا زور
 وہ سرو سہی اور وہ آب رواں
 وہ اڑتی سی نوبت کی دھیمی صدا
 وہ رقص بتاں اور وہ سحری لاپ
 وہ دل بینا ہاتھ پر دھر کے ہاتھ
 نہ انسان کا ہی دل ہوا میں بند
 غرض جو کھڑے تھے کھڑے رہ گئے
 جو پیچھے تھے آگے نہ وہ چل سکے
 لگی دیکھنے اکھڑ گس اٹھا
 گئے بنے آدھ میں سب درخت
 درختوں سے گرنے لگے جانور
 ہوئیں قمریاں شوق سے نعرہ زن
 ہوئے نہر تے تنگیاں پگھل
 عجب راگ کو بھی دیا ہے اثر
 جدھا اس طرح کا جو اُس جاساں
 دیکھ جو کچھ دل لگیوں پر گیا
 لگا تھا زبیں عشق کا اُسکو تیر
 بندھا اُسکو عاشق کا اپنے خیال

درختوں سے اُنا شفق کا نظر
 ہر اک جانور کا درختوں پر شور
 وہ پانی کا مستی سے ہمناد ہاں
 کہیں دور سے گوش بڑتی تھی آہ
 وہ گوری کی تائیں وہ طبلوں کی تھا پ
 اچھلنا وہ دامن کا ٹھوکر کے ساتھ
 ہوئے محسوس کر چہ زند اور پرند
 اڑے جس جگہ تھے اڑے رہ گئے
 جو بیٹھے سو بیٹھے نہ پھر ہل سکے
 گلوں نے دیے کان اُدھر لگا
 کھڑے رہ گئے سرو ہو کر کرخت
 بنے مثل آئینہ دیوار و در
 بھرا اشک سے طبلوں کے چمن
 بڑے سارے فوارے کسکے اچھل
 کہ ہو جائے پتھر کا پانی جسکے
 ہوا سب کے دل کا عجب حال دس
 کہ بن آئی ہر اک وہاں مر گیا
 لگی کھینچنے آہ بدر منیر
 لگی روتے اکھونپہ دھر کر و مال

۱۵ دل گیر پر یعنی عاشقوں پر ۱۲ ۱۵ آئی۔ یعنی مدت ۱۲ آئی

<p>ہو اسے ہو باں اور دونی وہ آگ نہ ہو پاس میرے وہ یادش رہی کہ معشوق بن سب سے گلزار آگ کو ہواں کا غم جسکے دنہاں ہو لگے خار کیسا ہی گو بھول ہو جسے یاد شمشاد کی ہو کمال جسے اپنے گل کی نہ ہو دے خبر چھپر کھٹ پر جا کر گری منہ چھپا ورق کا ورق ہی وہ برسم ہوا طوائف کہیں اور خواصیں کہیں کہ یارب یہ کیسا گلستان ہے جو چاہے یہ پھر ہو تو امکان کیسا نہیں اک وطیرے پہ لیں دنہار</p>	<p>کہیں کا کہیں لے اڑا اسکو راگ لگی کہنے ہے یہ دیکھوں میں میر دہی جانے ہو جسکے کچھ دل کو لاگ بھلا کیونکہ جی اسکا خوشحال ہو جگر میں اگر آہ کی سٹول ہو ورختوں کے عالم سے کیا ہو نہال کرے گلشن و گل پہ کیا وہ نظر یہ کمر اٹھی وہاں سے وہ دلربا خوشی کا جو عالم تھا ماتم ہوا سب اٹھتے ہی بس اسکے جاتی رہی مری عقل اس جا پہ حیران ہے براک وقت ہے اسکا عالم جدا کبھی ہے نزاں اور کبھی جد ہار</p>
--	--

داستان بنظیر کے غم ہجر سے بد مزیر کی بقیاری میں

<p>کہ پردے میں شب کے گیا آفتاب غرض عاشقوں پر قیامت ہوئی بھوں کو کہتا تم رہو دور دور اسی اپنے عالم میں بے اختیار</p>	<p>پلا ساقیا ایک جام شراب شب ہجر کی پھر علامت ہوئی گری جب چھپر کھٹ نہ وہ رشک ایکلی وہ رونے لگی زار زار</p>
--	---

لے کاغذ دور۔ برہمی کی نوک ۱۲ اسی۔

دہی جانے

دہی جانے

دہی جانے

دہی جانے

گرے چشم سے اُنکے اتنے گہر
 جھونکی تو دے ساقی نعل و نام
 ہوا آفتاب الم جو طلوع
 زرا اُنہ لے کے دیکھا جو رنگ
 بدن کو جو دیکھا تو زار و زوار
 فلک کی طرف دیکھ اور شکر کر
 زباں پر تو باتیں وے دل اُداس
 نہ منہ کی خبر اور نہ تن کی خبر
 اگر سر کھلا ہے تو کچھ غم نہیں
 جو مسمی ہے دو دن کی تو ہو وہی
 جو سینہ کھلا ہے تو دل چاک ہے
 نہ منظور سرمہ نہ کابل سے کام
 ویکن یہ خوبوں کا دیکھا بھٹاؤ
 نہیں حسن کی اس طرح بھی کمی
 غرض بے ادائی ہو اُن کی ادا
 جو ماتھے پہ چین جبین غم سے ہے
 وہ آنکھیں جو روتی ہیں بس بھوٹ بھٹ
 تب غم سے یوں تماتے ہیں گال

کہ دھویا اسی آب سے منہ سحر
 کہ رو دھو کے ہیں رات کا تمام
 اُداسی کا ہونے لگا دن شروع
 تو جوں اُنہ رہ گئی وہ بھی رنگ
 کسی کو کوئی جیسے دیوے فشار
 لگی دل کو بھلانے ایدھر اودھر
 پر اگندہ حیرت سے ہوش و حواس
 نہ سر کی خبر نہ بدن کی خبر
 جو کرتی ہے میلی تو محرم نہیں
 جو نگہی نہیں ہو تو یوں ہی سہی
 غم آلودہ صبح طربناک ہے
 نظریں وہی تیرہ بجتی کی شام
 کہ بگڑے سے دو ناہو اٹکا بناؤ
 جو بگڑی ہے بیٹھی تو گویا بنی
 بھلوں کو بھی کچھ لگے ہے بھلا
 تو وہ بھی ہے اک موج دریا بنی
 تو گویا کہ موتی بھرے کوٹ کوٹ
 کہ جوں رنگ لالہ ہو وقت زوال

۱۱۷ صبحی وہ شراب جو صبح کو پی جائے ۱۱۷ فشار بچڑنا بچھا۔ دیا نا ۱۲۷ خود ار
 باخبر۔ راز دار اکا ۱۱۷ عادت طور طریقہ ۱۲۷ بناؤ زینت ۱۲۷ عبادا ہی اسی۔

گریباں سینے پہ ہے جو کھلا	تو گویا وہ ہے صبحِ عشرتِ فزا
مقاہست سے چہرہ اگر زد ہے	دیا آہ ہو نٹوں پہ کچھ سر دے
اواسے نہیں یہ بھی عالم جدا	کہ ہے پانڈی اور ٹھنڈی ہوا

واستان بیقاری بدرنیر کی نظیر کے فراق میں اور

۲۸ نجم النساء کے تسلی دینے میں

پلا سا قیاسا غربے نظیر	پھنسی دام بھران میں بدرنیر
وہ حسن و جوانی اور اسیرِ غم	ستم ہے ستم ہے ستم ہے ستم
جہاں بیٹھنا آہ کرنا اُسے	بہاثر تراکت پہ دھرنا اُسے
کبھی خوں آنکھوں سے روڈا لٹا	کسی کو کبھی دیکھ دھوڑا لٹا
خواصوں کو بالابتنا اُسے	اکیلے درختوں میں جانا اُسے
دے اُن درختوں میں جس میں ۱۰ ماہ	سرشام چھپ چھپ کے کرتا نگاہ
سو یہ بھی ہر دن سے آداں مدام	اُسی چھانٹوں میں بیٹھ کرتی تھی شام
گیا اس طرح جب مینا گزر	کہ وہ ماہ مطلق نہ آیا نظر
اور اسکا ادھر رنگ گھٹنے لگا	جگر خوں ہو شرکاں پہ بٹنے لگا
لگی رہنے تب جان بیتاب میں	لگا ذوق آنے خور و خواب میں
محبت کا سودا سا ہو نے لگا	جنوں تخم وحشت کا بونے لگا
سرکنے لگا پاس ناموس و رنگ	لگی عقل اور عشق میں ہونے جنگ

لے بالا بتانا۔ فریب دینا۔ بہانا کرنا اُسی۔

خموشی اٹھانے لگی دل میں شور
 یہ احوال دیکھ اسکا وقت و زیر
 تو وہ ہر کہہ سکتا تھا اس کے وقت
 سافر سے کوئی بھی کرنا ہے پیت
 اری چاروں کے ہیں یہ آشنا
 گئے آسمان گم زمیں کے ہیں یہ
 تو بھولی ہے کس بات پر اسے بوا
 سنی جاتی اپنے پہ ہو کوئی سرے
 اگر آپ پر کوئی شہیدانہ ہو
 وہ خوش ہو گا اپنی پری کو بیا
 مختاری اُسے چاہ ہوتی اگر
 لگی کہنے تب اُس کو بدر منیر
 کسی کی بدی تو نہ کر عیب ہے
 وہ اپنے دلوں سے تو ہونکیزات
 ہوا قید یا آنے پایا نہ وہ
 بچیرات دن اسکا رہتا ہے ڈر
 نہ باندھا ہو اسکو کسی ضیہ میں
 پری نے کہیں طیش کھلا لاٹ میں

جتانے لگی نا توانی بھی زور
 لگی جلی کے کہنے کہ بدر منیر
 کہہ دل گیا تیرا اسے ہو قوت
 مثل ہو کہ جو لگی ہوئے کے میت
 ملا دل کو آخر کرے ہیں جدا
 جہاں بیٹھے جابن ہیں کے ہیں یہ
 خبر ہے دہانی بچھے کیسا ہوا
 تو دل پہلے اپنا بھی صدمہ کرے
 تو پھر جابن ہے اسکی پر دانہ ہو
 شہدائے آپہ بھی ہو تم بھی دیے
 تو اب تک وہ تم کو نہ آتا نظر
 کہ سنتی ہے لے میری سخت زیر
 کہ اسکا خدا عالم الغیب ہے
 ہوئی اُسپہ کیا جانے کیا واردات
 گئے اتنے دن اب تک آیا نہ وہ
 پری نے سنی ہو نہ یاں کی خبر
 کیا ہو نہ اُسکے نہیں قید میں
 دیا ہو نہ پھر پک اسکو کہ قاف میں

لے وقت دینا۔ ہوشیاری کی باتیں کھانا ۱۲ گئے بیت محبت ۱۲ گئے جو گئی ہوئے کسی کے میت
 یعنی کہنے لے جو گئی ہوئے ۱۲ گئے کہ قاف۔ ایک پناہ جہاں مشہور ہے کہ بریاں اور جنات رہتے ہیں۔

کسی دیو کے منہ میں ڈالا نہ ہو بھلا اپنے جی سے وہ جیتا رہے گھر آنسوؤں کے پرونے لگی پھپر کھٹ کے کوئے پہ سر منہ لپیٹ	پرستان سے بھی نکالا نہ ہو نہ ملنے کے دکھ اسکے سب ہیں سے یہ کہہ حال دل اپنا رونے لگی کئی منہ کڑی مار آخر کو لپیٹ
--	--

خواب میں دیکھنا بد مزیر کا منظر کو کنویں میں اور
جو گن بنکر نکلتا نجم النساء کا اسکی تلاش میں

کہ غائب کا احوال ظاہر ہو گل کہ آخر یہ دنیا ہو خواب و خیال تو دیکھا پھنسا اسکو جتال میں کہ دشمن نہ دیکھے یہ حال خراب کہ رستم جسے دیکھ ہو جائے فق فقط اک کف دست میدان ہے کہ اٹھتا ہو آہوں کا داں سے دھواں کئی لاکھ من کی ہو اک سل پڑی ترے چاہ غم میں ہوا ہوں اسیر کروں کیا کہ ہے مجھ پہ قید گراں	پلا ساقیا جام جم سے وہ مل کسی کے تو اکام فرخندہ فال ذرا آنکھ جھپکی جو اس حال میں قضا نے دکھایا عجب اسکو خواب یہ دیکھا کہ صحرا ہے اک بن دوق نہ انسان ہو واں نہ حیوان ہے گنہ گنج میں اسکے ہو اک کنواں کنویں کا ہو منہ بند اس سے اڑی صدا واں سے آتی ہے بد مزیر میں بھولا نہیں تجھ کو میرے کچان
---	--

لے ہاتھ پر سیٹ کر پڑ رہنا۔ اٹاٹی کھوٹی لے کے لیٹ جانا ۱۲۔ لوق دوق۔ دیران۔ میدان
یہاں درخت اور آدمی نہ ہوں ۱۳۔ کف دست میدان۔ ہوا ر صاف ۱۴۔ کسی

فقط تیرے لئے کا ارمان ہے
تو اس قید غم سے پھر ادب مجھے
یہ غم ہے کہ تجھ کو نہ ہو دوس
جیوں میں اگر تیرے آگے مروں
نہیں وصل ممکن بغیر از وصال
اسی چاہ میں جا لیگا دم بیکل
جو چاہے کرے بات بد رنمیر
قصائے دل کی سنائی اُسے
بھرے اشک رخسار پر کے ڈھل
پڑی گوش میں پھر نہ آواز وہ
اٹھی باؤلی جان بیتاب سے
دے جوں مہ صبح چہرہ سفید
چھپے چاندنی میں ستاروں کے گچ
سراپا ہوا شکل اندوہ و درد
تو منہ پر ہوائی سی چھٹنے لگی
ہوئیں اشک خونیں سے گلہ زبانی
نکلنے لگے اُس سے شعلے ہزار

پراس قید میں بھی ترادھیان ہے
تو اپنی جو صورت دکھا دے مجھے
نہیں جھکے مرنے سے کچھ اپنے ڈر
تجھے کاش اسوقت میں دیکھ لوں
لیکن یہ ہے خام میرا خیال
کوئی دم کا ہمان ہوں آج کل
یہ سن وارداتِ شب بے نظیر
یہ ہرگز میسر نہ آئی اُسے
یکایک گئی آنکھ اتنے میں کھل
نہ وہ چاہ دیکھانہ مہراز وہ
صدا اپنے یوسف کی سن خواب کے
کہا گو کسی سے نہ اُسے یہ بید
ڈھلے منہ پہ آنسو ہوا بسکہ رنج
وہ ہناب سا چہرہ ہوزرد و زرد
زبس آہ پنہاں سے گھٹنے لگی
مشرہ وہ نکیلی جو تمہیں تیز سی
بچھنیا سا قد تھا جو رشک انار

لے گچ از خیرہ، گچ چھوٹا بہت سے پڑاؤں کا اک دم چھوٹا ۱۲۷۵ھ سنہ پر ہوائی چھوٹا۔
یا اڑنا۔ چہرے کا رنگ اُڑنا ۱۲۷۵ھ بچھنیا۔ ایک قسم کی چنپا جس کو سببیں چنپا بھی کہا جاتا ہے
اور یہ اُسی کا تخفیف ہے۔ ایک قسم کی آتش بازی ۱۲۷۵ھ عبد الباری آسی۔

نہ چھوڑو اور نہ وہاں کے دوست

جلیں اُس کی اہول سے کل صورتیں
چھپایا بہت اُسے پر نشیں
کسی سے کیجو جو ہوتی ہے لاگ
خواصیں کئی وہ جو ہمارے تھیں
کہا اُسے رورو کے احوال خواب
سنا جبکہ نجم النساء نے یہ حال
لگی کہنے وہ یوں نہ آنسو بہا
بس اب سر بصر نکلتی ہوئیں
جو باقی رہا کچھ مٹے دم میں دم
وگر مر گئی تو بلا سے موی ہا
کہا شاہزادی نے سُن لے رفیق
بھلی چنگی اپنی نہ کھو جان تو
رسائی تری ہوگی کیونکر وہاں
میں جیتی ہوں اس سرے پر فقط
وگر نہ میں رُک رُک کے مر جاؤنگی
کہا اُسے کیا کیجے پھر بھلا
میں اس عشق کا یہ نہ سمجھی تھی دل
تجھے دیکھنا یوں گوارا نہیں
یہ کہ اُسے رورو و اتار سنگار

ہوئیں سب ہ مٹی کی جوں موتیں
پھپھالے سے آتش چھپے ہے کہیں
بغیر از کے اور لگتی ہے آگ
بڑی حد تو ایسا میں سرافراز تھیں
رُٹایا اُنھیں پڑھ کے عمر کی کتاب
ہوئی بیقراری تب اُسکو کہاں
ترے واسطے میں نے اب دکھ سہا
اُسے ڈھونڈ لایا نیکو چلتی ہوئیں
تو پھر آ کے یہ دیکھتی ہوں قدم
تو یوں جانو مجھ پہ صدقے ہوئی
ہوئی میں تو اس چاہ خم میں غربت
کہ ہے وہ پری اور انسان تو
مجھے بھی نہ ہے ہاتھ سے میری جاں
کہ ہوتا ہے تجھ سے مرا غم غلط
اسی طرح جی سے گذر جاؤنگی
پڑی اب تو اپنے ہی سر پر بلا
ترے غم سے آنے لگا مجھ کو ہول
اس اندوہ کا مجھ کو یا ر انہیں
کیا اپنی پشت از کو تار تار

اے میرے دم میں دم ہے تو یعنی اگر میں زندہ ہوں تو ۱۷ سالہ ڈول۔ ڈھنگ ۱۲ برس

<p>دیا خاک پر پھینک دیا دھڑا دھڑا سجائے پہ جو گن کا اُسنے لباس چلی نکلے صحرا کو جو گن کے بھیس بھجھوت اپنے تن پر ملا سرسبز وہ پردہ سا کر اُس تن صاف کا بدن کو چھپا اور گاتی کو بانڈھ کہ جوں سبزہ و گل گلستان میں پریشان کر اپنے بالوں کے تئیں کیا سنبھلتاں کو جگمگا وہ باگیں سی شبنم کی موڑ دیں رکھا چشم میں خون دل کو نکال اور اک بہن کا نہرے پر اپنے نبھال پہن اپنے موقع سے چالاک حوسپ</p>	<p>گریبان کو مثل گل چاک کر بھڑ آئے جو کچھ اُسکو ہوش و حواس پہن شیلی اور گیر دا اوڑھ کھس کئی سیر موتی جلا راکھ کر پہن ایک لنگا زرتی بانٹ کا زری کے دوپٹے سے چھاتی کو بانڈھ زمرہ کے مندر سے لگا کان میں گلے پنج ڈال اپنے بالوں کے تئیں زری کا بنا حلقہ سر پر رکھا ٹیس دیکے بل دوش پر چھوڑ دیں ے غم سے آنکھوں کو کر لال لال زمرہ کی سحر کو ہاتھ میں ڈال جو تھکے تھے من کے اسے کر دست</p>
---	---

۱۵۔ یلی وہ بالوں یا سیاہ ریشم کا ناگا جو گلے میں باندھے ہیں ہندو فقیر ایسا کرتے ہیں۔ اور
بعض وقت صرف زینت کے لیے کلائی پر باندھتے یا نگلیں میں ڈالتے ہیں ۱۲۔ ۱۵۔ بھبھوت راکھ
جو جوگی سنیاسی اپنے بدن پر ملتے ہیں ۱۲۔ ۱۶۔ زری بانٹ ایک قسم کا کپڑا جو سونے
چاندی کے تاروں سے بنا ہوا ہوتا ہے ۱۲۔ ۱۷۔ لگاتی۔ چادر یا دوپٹے کو دونوں
کاندھوں پر ڈال کر سینہ کو باندھنا ۱۲۔ ۱۸۔ مندر۔ وہ حلقہ جو جوگی کاندھوں میں
پہنتے ہیں ۱۲۔ ۱۹۔ سنبھلتاں سے مراد زلفیں۔ ۱۱۔ ۲۰۔ شبنم سیاہ رنگ کا گھوڑا
۲۱۔ سحر ہندو نامہ ۱۲۔ ۲۲۔ وہ ٹہرے جو فقیر لگاتے ہیں پہنتے ہیں ۱۲۔ آسی

<p>دکھاتی ہوئی چال ہرہر کے تئیں اڑاتی چلی اپنی آنہوں سے رُال صفار اکھ سے اور چکی وہاں چھپے ہو کہیں خاک ڈالے سے چاند غرض حسن نے اور جلنے دیے شب تیرہ میں اکشائے فلک کہ جوں شب میں کوئی بیٹی کرے تو اُس رات پردن کو صدقے کیا کے سنبہ میں گیا آفتاب تو دامان عشاق ہوئیں گے تر کہوں کیا کہ جیسے کھلے کان پر ہوئی حسن کی اور کھیتی ہری وہ دونوں ہوئے اُسکے حلقہ گوش زمرہ کو اُس گوش کی لو لگی جب ایسے کہیں لگے جا کے کان گل فستق کی چمن میں ہنسار بھرے جسمیں لائے لائے کے رنگ</p>	<p>چلی بن کے جو گن وہ باہر کے تئیں تعب سوز دل کا عیاں منہ سے حال اُس آئینہ رو کا کروں کیا بیاں کرے حسن کو کس طرح کوئی ماند چھپائے کوٹھوانگ اُسے جو جو کیے وہ موتی کی سیلی وہ تن کی دک زری کا وہ حلقہ سر اوپر دھرے زمانے کو بھائی جو اُس کی ادا کرے جو کہ تقویم دل سے حساب یہ برق اور یہ ابرسیہ ہے اگر زمرہ کے مندرے وہ اس آن پر وہ مندرے وہ تن اسکا خاکستری اڑے سبزہ وگل کے دیکھ اسکو ہوش نظر کر صفائی کو اُس گوش کی بڑھے کیوں نہ ہر دم زمرہ کی شان وہ موتی کی مالا وہ مونگے کا بار گلابی سے وہ زگرے شوخ رنگ</p>
--	--

سہ رال اڑاتا آگ کے ذریعہ سے رال کو بارودنی طرح اڑاتا ۱۲ سہ رنگ روپ بھڑا۔ تابشا ۱۲۔
سہ رنگ کا نام ہے چھ لائیں کا طریقہ یہ ہے کہ بانس کے دونوں سروں پر دو گیتندیاں باندھیں یا تھکھرا اس طرح
پھرانے میں کہ حلقہ بندہ جاتا ہے ۱۲ سہ تقویم خیر ۱۲ عبدالباری آجی۔

پڑے نور پر عمل کا عکس جوں
تو رو یا کرے چشم سے وہ ہو
جلے جوں کوئی مست شیشہ اٹھا
نہ تھی بین عشرت کی گہنگنی تھی وہ
ویا تھے سبو بھر آہنگ کے
کہ لاوے کوئی جیسے گن کا جلی
وہ تھی ہند کے راگ کی سلسبیل
وہ نہ ہوا جوگ دیکھ اُسکا جوگ
لگے پھوڑنے دوست سرنگ سے
تو وہ صاحب خانہ رونے لگی
کہ جس طرح سادون سے بھادوں نے
بہ پھوٹ دیوار و در ایک بار
وہ رور و ہوے شبنم آلودہ گل
کہا حق کو سو نیا تجھے لے رہا
اُسی طرح دکھلا ہمیں منہ پھر آ

وہ تشقہ کھنچا سُرخ ماتھے پہ یوں
اور اُسکی دیکھے جو عاشق سمجھو
یہ بین اُسکے کاندھے پہ تھی خوشنما
وہ بار محبت میں ہنگی تھی وہ
نہ تھی بین تھے قلعے رنگ کے
سودہ بنین کاندھے پہ رکھ یوں چلی
ہر اک تار تھا بین کا روڈ نیل
نہ عاشق ہوئے اُسکے عالم پہ لوگ
ہنی جبکہ جوگن وہ اس رنگ سے
وہ رخصت جو اس طرح ہونے لگی
وہ رور و کے دو بار غم یوں نے
یہاں تک بندھا اُسکے رونے کا تار
کھڑے تھے وہ جوگن کے جوگر دگل
نہ دیکھا کسی نے جو کچھ اختیار
چلی جس طرح پیٹھ اپنی دلہا

۱۵ بین ایک باجا ۱۲ سے ہنگی ترازو کی طرح کی ایک چیز بنا کر کندھے پر رکھتے
اور اُس کے ذریعہ سے بوجھ دھوتے ہیں شکل ۱۵
۱۶ رو دخیل - ایک دریا کا نام جو مصر میں واقع ہے ۱۲ جوگ - درویشی شیناس
۱۷ سادون بھادوں کا نام سادون کے جینے کا ختم ہو کر بھادوں کا شروع ہونا ۱۲ اسی
۱۸ جانے والے سے کہتے ہیں کہ جیسے پیٹھ دکھا کر ہو اسی طرح منہ دکھانا ۱۲ اسی

کسی نے کہا بھولیو موت مجھے
 کہا اُس نے خیر اب تو جاتی ہو نہیں
 تمہیں بھی خدا کو میں سوچا سنا
 جدا ہو کے الفصہ رو تو نکو چھوڑ
 نہ سدھ بدھ کی لی اور نہ منگل کی لی
 لیے بین پھرتی تھی صحرا نور د
 کہ شاید کوئی شخص ایسا ملے
 جہاں بیٹھ کر وہ سجاتی تھی بین
 سجاتی وہ جو گن جہاں جو گیا
 اُسے منکے آتا تھا صحرا کو جوش
 گل نغمہ جو اُس سے گرتے ہزار
 کہیں حلقہ حلقہ کہیں بخت بخت
 بجاتی تھی جوں جوں وہ بن بنے بین
 نظر جو کہ پڑتی تھی بوٹی جڑی
 تا شانہ دیکھا تھا جو یہ کبھی
 یہاں تک کہ رہ میں جو تھے نقش پا
 گل نغمہ ترکی یہ تھی بہار

خدا کے تئیں میں نے سوچا تھے
 جو ملتا ہو تو اُس کو لاتی ہوں میں
 مرا بخیو تم کہا اور سنا
 چلی اپنے گھر بار سے منہ کو موڑ
 نکل شہر سے راہ جنگل کی لی
 تن چاک چاک در رخ گرد گرد
 کہ جس سے وہ شیدا کا شیدا ملے
 تو سننے کو آتے تھے اہوے بین
 تو وہاں بیٹھی خلق دھونی رہا
 صدا سے درختوں کو آتا خروش
 تو لیتا اُسے دشت دامن پیار
 کھڑے ہو کے گرد اُس کے سننے درخت
 خس و خوار سننے تھے تن تنکے بین
 ہر اک عالم شوق میں تھی کھڑی
 دود و دشت غش میں پڑے تھے سبھی
 وہ بیٹھے تھے کان اپنے اودھر لگا
 کہ صحرا کے گل اُس کے آگے تھے خار

نور نور کا کر

نور نور کا کر

۱۲۔ خدا کے تئیں اب متر دک ہے ۱۲

۱۳۔ کہا بخیو تم کہا ۱۳ جو گیا ایک راگنی کا نام ۱۲ اسی

۱۴۔ دود و دشت غش میں پڑے تھے سبھی ۱۲ اسی

<p>سُن آواز کی اُسکی شان و شکوہ نہ پانی ہی سُن شور اُسکا چلے نہ چشے ہی کچھ آئیدہ رہے ہوا بلبل و گل کایاں تک ہجوم تیر کا ہتھار اں ہر اک کو مقام چمن کرتی پھرتی تھی جنگل کے تئیں یہ ہر جا پہ تھا اُسکے دم سے طلسم شب و روز سرگشتہ مثل صبا</p>	<p>نکلنے لگی دب کے آواز کوہ کنویں کے بھی دلیں اُسٹے ولولے گر بیان کر چاک دریا ہے کہ گرتی تھیں اں ڈالیاں ہجوم ہجوم زباں کا نکلتا تھا ہاتھوں سے کام بساتی تھی جنگل میں دنگل کے تئیں بندھا تھا اُسی دم قدم سے طلسم اسی طرح پھرتی تھی وہ جا بجا</p>
--	--

داستان فیروز شاہ جنوں کے بادشاہ کے بیٹے کا عاشق ہونا جو گن پر

<p>کہ تیرے تو اے ساقی گلزار کوئی پھول سی دے شتابی شراب وہ دار و پلا دل کر چو راس ہو مسبب کے اسباب دیکھو ذرا سفید و سیہ اُسکے ہے اختیار جہاں نہیں ہو اندوہ و عشرت ہم دورنگی زمانے کی مشہور ہے تھنار اُسہا ناسا اک دشت تھا</p>	<p>کہ صحرائے اسب دل ہو خارزار کہ شہر مطالب کو پہونچوں شتاب کہ جینے کی بیمار نکے آس ہو کہ قدرت میں اسکی ہو کیا کیا بھرا بنایا ہو اُسنے یہ لیل و نہار کہیں صبح عیش و کہیں شام غم کبھی سایہ ہے اور کبھی نور ہے کہ اک شب ہوا اُسکا داں بستر</p>
---	--

نہایت طرہ وار صاحب جمال
ہوا پر اڑا کے ہوئے اپنا تخت
وہ جاتا تھا کرتا ہوا سیر ماہ
یکایک سنی بین کی جو صدا
جو دیکھے تو جو گن ہے اک رشک حور
نظر کر کے حُسن اُس کا غش کر گیا
یہ سمجھا بناوٹ کا کچھ بھیس ہے
پڑا تم پر ایسا کہو کیا سچو گشت
گدھر سے تم آئے کہاں جاؤ گے
وہ سمجھی کہ اس کا دل آیا ادھر
خس و خار ہو عشق حُسن آگ ہے
وے راگ ہے اور ان میں ہوا
کہا ہنس کے جو گن نے بھر بول ہر
کتاب پر یزاد نے واہ جی
نہ رکھی ہو اتنا بھلا جاؤں گا
کہا ہوتے سوتے سے اپنے کو
یہ دو دو لطفے جو باہم ہوئے

برس ہیں اکیس کا سن وصال
 کسی طرف جاتا تھا فیروز بخت
 اُسے خلق کہتی تھی فیروز شاہ
 وہاں تخت لا اُسے اپنا رکھا
 کہ چشم فلک نے نہ دیکھا یہ نور
 تعشق کے عالم میں بس مر گیا
 لگا کہنے جو گی جی آویس ہے
 بیا واسطے کس کے تم نے یہ جگ
 دیا اپنی ہم پر بھی فرماؤ گے
 کہ دل بھی تو رکھتا جو دل کی خبر
 سدا عشق اور حسن میں لاگ ہے
 کہ دونوں طرف آگ لے ہو لگا
 جہاں سے تو آیا چلا جا ادھر
 بہت گرم ہیں آپ اللہ جی
 ذرا بین سنکر چلا جاؤں گا
 فقیر دہا کو پھیرو نہ بیٹھے رہو
 اسی دلف میں یہ تو بید رہو

سده اسلام حکم ۱۲۳۵ مصیبت جدائی ۱۲۳۵ دیار رحیم - کربا - بهرانی ۱۲۳۵ هر بول ببر
ایضا شرافتدار که ده گاهم برادر یزدخواست ۱۲۳۵ بوست قسوت کوکنا عزیز در کت حق بی برافراشتا
سده زاده ای بو لیلی یزداقی نکرو ۱۲۳۵

گیا بیٹھ آسانے ریت میں
 نظر حسن پر گاہ گہ بین پر
 رہا تن بدن کا نہ کچھ اُسکو ہوش
 وہ جو گن جو تھی درد و غم کی اسیر
 نہ سدھ گھر کی لی اور نہ لی راہ کی
 بجاتی رہی بین وہ صبح تک
 ادھر تان پر بین کی تھی بہار
 دھری اپنے کا ندھ پر جب اُس نے بین
 پر زادنے تب پکڑ اُسکا ہاتھ
 زمین سے اڑا آسمان کے تئیں
 نہ مانا اور اُس نے اڑا ایا اُسے
 یہ مزد وہ گیا باپ پاس اپنے لے
 یہ جو گی جو ہیں ایک صاحب کمال
 بہت آپ ان سے اٹھا یئنگے حظ
 کہا اُس نے بابا بہت خوب ہے
 کہا اڈ جو گی جی بیٹھو ادھر
 کھلے بخت بیٹے کے اور باپ کے
 بہت اُس کی تعظیم و شکریم کی

رہا کھیت یہ تو اسی کھیت میں
 سر پا دل اُس بستی چین پر
 بنا گل وہ جو نقش پا چشم و گوش
 ہوا غم میں جو گن کے یہ بھی فقیر
 جب آئی ذرا سدھ تو پھر آہ کی
 نیر و یا کیا سامنے بیدھر تک
 بندھا تھا اُدھر اُس کے رونے کا تار
 اٹھی اُس کے انگڑائی نہرہ جبین
 شتابی بٹھا تخت پر اپنے ساتھ
 وہ کتنا کہا کی نہیں رے نہیں
 پر تان میں لا کر بٹھا یا اُسے
 کہا عرض رکھتا ہوں میں آپ سے
 ذرا بین سنیے اور اُنکے خیال
 بہت بین سن اُنکی پائینگے حظ
 ہمیشہ سے راگ اپنا مرغوب ہے
 کرو روشن اپنے قدم سے یہ گھر
 سروں پر ہمارے قدم آپ کے
 جگہ ایک پاکیزہ رہتے کو دی

داستان فیروز شاہ کی مجلس آرائی اور جوگن بکلا نہیں

پلا مجھ کو ساتی محبت کا جام
یہ جوگن جو بیٹھی بڑوگن ہوئی
بھبھوت اپنے منہ پر شبابی سے مل
دکھاتی ہوئی سوز دل دور سے
ستاروں کے مانے گلے بیچ ڈال
ہوئی شب کو وہ بزم انجم فروز
ملک نے پرستان میں مجلس بنا
پر بزا دسارے ہوئے جمع وال
وہ جوگن جو سچ مچ تھی زہرہ حبیب
بہت فتوں سے بلایا اُسے
کہا ہم ہیں مشتاق کچھ گائیے
کہا کچھ بجانا نہیں اپنا کام
ہے بزار فرمائشوں سے فقیر
کہا جوگی صاحب یہ کیا بات ہے
جو مرضی ہو تو تم کو تکلیف دیں
کہا اس طرح سے جو فرماؤ گے

کہ ہماریوں میں ہو ادن تمام
کہ اتنے میں رات آئی جوگن ہوئی
رکھ انڈوے کو مہ کے شب آئی مکمل
اڑاتی ہوئی رال کو نور سے
وہ پہونچی پرستان میں حال حال
چھپا رشک سے لے کر دیں وز
بلکایا اُسے جس کی تھی یہ شناسا
کہ دیکھیں تو جوگن کا چل کر سماں
سو مجلس میں آئی یے اپنی بین
بڑی عزتوں سے بٹھایا اُسے
سماں بین کا ہم کو دکھلائیے
ہر اک طرح لینا ہیں ہر کا نام
وئے کیا کریا اب ہوئے ہیں اسیر
کرم آپ کا ہم پہ دن رات ہے
نہیں جس میں راضی ہو تم سو کریں
تو ہاں بندگی ہی میں کچھ پاؤ گے

لکھنؤ فرقت زدہ ۱۲۵۲ انڈو-ارگول ملحقہ جو جوگی سر پر رکھتے ہیں ۱۲۵۲ حال حال

جلد جلد ۱۲ ۱۲۵۲ خدا ۱۲ لکھی

<p>یہاں تک بجائی کہ دیوار و در نظر جو پڑے واں سو روئے مجھے تو جوں تمنع اشک کے رُس کے نکل کہ ہاتھوں سے اُسکے ہوا دل رواں اُلا یا ہر اک جن و انسان کو وہ عاشق جو تھا اُس پہ فیروز شاہ کبھی دیکھتا چھپ گئے ایدھر ادھر کھڑا دیکھتا اُس کو رو رو کے وہ پچھے اُسکے کھڑے کی لیتا ہلا کنکلیوں سے پردیکھ رہتی اُس تو یہ اور کی طرف کرتی نظر دل و جان سے کرتا تھا ہر لحظہ آہ تو کھار شاہ اُس کا کہ خیر تم کو کیا یہی دل تھا اُس کا کہ دیکھا کروں کہ غش کر گئے دے جو تھے نکتہ چین کہ اکی دیا جوگی جمع آپ نے مری بزم رشک ارم کیجیے ہمیں اپنا مشتاق جانا کرو ہوے آج سے ہم تمھارے غلام</p>	<p>یہ کہہ اُس نے اور بین کا ندھے پھر کھڑے رہ گئے ہوش کھوئے تھے گیا اہل مجلس کا جو دل پگھل ہوئیں بین پر انگلیاں یوں دوں ردان و دوں کر دیا جان کو ہوا حال پر اُس کا یہ کچھ تباہ کبھی سامنے آئے کرتا نظر ستوں کے کبھی اوٹ میں ہو کے وہ کبھی ایدھر ادھر سے پھر پھر کے آ وہ کو کچھ تھی سنتی نہ کہتی اُس نظر اُس کی جب آن پڑتی ادھر اس آن واد ایدہ فیروز شاہ اگر کوئی جو گن کی کرتا شہ نسا غرض تھی یہ صحبت کہیں کیا کہوں بچی پہلی صحبت میں والی سی این سراپا پر زاد کے باپ نے اسی طرح ہر شب کرم کیجیے مقدم ہمارا رچھٹا کر و یہ گھر بار ہے آپ کا ہی تمام لے رہا ہوتا ہے کرنا اٹھانا اسی</p>
--	--

<p>جو کچھ تم کو درکار ہو لیجیے تھا را مبارک رہے گھر تمہیں یہ تھی بات سب آب و دانہ کے ہاتھ دیا تھا جہاں اُسکے رہنے کو گھر سمجھ جی میں کچھ کچھ دل افروز وہ نہ گھبراؤ اپنے دل میں کبھی دریں آشکارا چہ دار و نہاں کہ اُس شاہ پر یونگی خدمت میں جا ہر اک بات میں قند تھی گھولتی پہرے کے بجے گھر میں آتی تھی وہ کہ تھی دن بدن اُسکی حالت تباہ اُسی کے تصور میں شام و سحر تنگے کے مانند گرنا اُسے وہیں کاٹنی اُسکو اوقات سب سدا میں سن سچ کے رونا اُسے ہر اک تان میں اُسکو بیتی بٹھا تو عاشق پر غصہ وہ کرتی غضب کبھی دوڑ بیٹھی کبھی اُسکے پاس دو آنہ کیا اُسکو باتوں میں ڈال</p>	<p>حکمت کو موقوف کر دیجیے کہا اسے مطلب نہیں کچھ ہمیں کہاں تم کہاں ہم ہوا یہ جو ساتھ یہ کہہ دال سے اُٹھی وہ جو گن ادھر لگی رہنے اُسیں شب و روز وہ کہا اپنے جی سے کہ سنا ہے جی یہ بنیم کہ تا کر دگار جہاں غرض اس طرح اُسکا معمول تھا پہرے تک ہنستی اور بولتی بجائیں سب کو رچھاتی تھی وہ دے کیا کہوں حال فیروز شاہ نہ دنیا کی اُسکو نہ دین کی خبر اُسی شمع کے گرد پھرنا اُسے بہانے سے ہر کام کے روز و شب اسی طرح اوقات کھونا اُسے وہ جو گن بھی سو سو طرح کر ادا دے کچھ بھی پاتی جو حق طلب کبھی خوش کیا اور کیا اگر اُداس کیا اُسے پردے میں جب کچھ سوال</p>
<p>۱۰ دیکھو کہ پورا ۱۱ کا نامک اس پردہ میں کیا بات چھپاے ہوئے ہے ۱۲ اسی</p>	

نہ نظروں سے چھوڑا

نہ اوڑھائی نہ لایا نہ سنا نہ بھول گیا

کبھی ٹھیک نظر سے گھائل کیا
کبھی ٹھیک ہی باتوں سے مارا اُسے
کبھی ہنس کے دیکھا ذرا خوش کیا
کبھی منہ چھپایا دکھایا کبھی
لٹوں میں کبھی دل کو لٹکا دیا
وہ ہر چند آنکھیں دکھاتی رہی
پیارا پریزا وہ سادہ دل
اسی طرح مدت گئی جب اُسے
نہ منہ پر وہ عالم رہا اور نہ نور
جگرخوں ہو آنکھوں سے آیا اہل
یہ دی پردہ دل سے جی نے صدا
جو کہنا ہے اُس سے تو کہہ مال دل
سنبھلنا ہو اب بھی تو ظالم سنبھل
لگا کر تو اب دست افسوس کو
یہ سن جی کا پیغام مجبور ہو
بلا سے اگر آن بٹھرتی نہیں
غرض ایک دن بارے یہ ٹھکان کر
نہ تھا اُس گھڑی کوئی ایسا دھڑ

کبھی ٹھیک ہی باتوں سے مارا اُسے
کبھی ہنس کے دیکھا ذرا خوش کیا
کبھی منہ چھپایا دکھایا کبھی
لٹوں میں کبھی دل کو لٹکا دیا
وہ ہر چند آنکھیں دکھاتی رہی
پیارا پریزا وہ سادہ دل
اسی طرح مدت گئی جب اُسے
نہ منہ پر وہ عالم رہا اور نہ نور
جگرخوں ہو آنکھوں سے آیا اہل
یہ دی پردہ دل سے جی نے صدا
جو کہنا ہے اُس سے تو کہہ مال دل
سنبھلنا ہو اب بھی تو ظالم سنبھل
لگا کر تو اب دست افسوس کو
یہ سن جی کا پیغام مجبور ہو
بلا سے اگر آن بٹھرتی نہیں
غرض ایک دن بارے یہ ٹھکان کر
نہ تھا اُس گھڑی کوئی ایسا دھڑ

۱۲۷۷ھ - بھاگ جاتا - ۱۲۷۸ھ - مراد پور کی سی مدت ۱۲۷۹ھ - آن - عزت آباد

عہدہ - وضع ۱۲۷۹ھ - گھات - داؤ - موقع ۱۲۷۹ھ

ایکٹی اُسے دیکھ ہو بے قرار
گرا اس طرح سے قدم پر جو وہ
کہ ہے آج یہ کیا خلافت قیاس
کسی نے ترا دل ستایا کہیں
مرے بیٹھنے سے اذیت ہوئی
فقیروں سے اتنا نہ ہو تو خفتا
اذیت مگر ہم سے پاتا ہے تو
دکا کہنے رو رو کے فیروز شاہ
تمھاری سمجھ نے تو مارا ہمیں
ستائے ہوئے کو ستاتی ہو کیا
ہوئیں تم نہ واقف مرے حال سے
تم اپنا سا مجھ کو سمجھتے رہے
تم ایسی ہی بے رحم و بے درد ہو
کہا اُس نے کہ شتاب اپنا حال
کہا تب پریزا دے میری جان
بھلا ہجر میں کب تلک ہوں بلوں
لگی ہنس کے کہنے کہ اک طور سے
مطالب اگر میرے پر لائے تو
کہا اُس نے پھر جلد فرمائیے
کہا اُس نے یہ ہے مری داستان

تلا

نہ کہتا ہوں کہ تو بے رحم و بے درد ہو

گرا پاؤں پر اُسکے بے اختیار
تو کہنے لگی مسکرا اُسکو وہ
گرا اتنا تو ہو کے کیوں بے حواس
ویا جی کو تیرے بھٹایا کہیں
کہ ہمانیوں کی مصیبت ہوئی
چلے ہم بھلا جا ترا ہو بھلا
کہ اب پاؤں پڑ پڑ اٹھاتا ہے تو
کہ بس بس یہی تو کہو گی نہ واہ
یہ باتیں نہیں اب گوارا ہیں
جئے دل کو ناحق جلاتی ہو کیا
فدا میں رہا جان اور مال سے
بھلا تم کو اب یاں کوئی کیا کہے
غرض اپنے عالم میں تم فرد ہو
کہ تو کیوں گرا سر کو پاؤں میں ڈال
کہاں تک کروں راند دل کا تھاں
غلامی میں اپنی مجھے کر قبول
جو میری کہانی سے غور سے
تو شاید مراد اپنی بھی پائے تو
جو کچھ آپ سے ہو بجا لائے
کہ شہر سراندیپ ہے اک مکان

ملک ایک وال کا ہے سعود شاہ
جہاں میں ہے بدر منیر اسکا نام
بنایا تھا اُسے الگ ایک باغ
جدا باپ سے تھی وہ اس جاقیم
میں بخم النساء اسکی دخت وزیر
جد ایک دم اُس سے ہوتی تھی
خوشی سے سرکار غم سے فراغ
کسی طرح کا غم نہ تھا دھیان میں
ہوئی ایک دن یہ عجیب واردات
کہا ننگ کھوں اسکا قصہ بدور
گیا اُپہ اُس شاہزادی کا دل
وے عاشق اُپہ تھی کوئی پری
کہیں وال کے آنے کی سکر خضر
ویا قید میں اُس کو ڈالا کہیں
سو میں کھوج میں اُسکے جو گن ہوئی
پریرا داپس میں تم ایک ہو
تو شاید مدد سے تمھاری ملے
دل آباد ہو جی کو آرام ہو
کہا تب پریرا نے ہاتھ لا

کہ شہی ہے ایک اسکی مانند ماہ
میں رہتی تھی خدمت میں اسکی مدام
کہ فردوس کا تھا وہ چشم و چراغ
سدا سیر کرتی تھی بے خوف و بیم
ہمیشہ سے ہر از تھی اور مُشر
سلائے بغیر اُسکے سوتی نہ تھی
برنگ چمن رہتی تھی باغ باغ
ترقی خوشی کی تھی ہر آن میں
کہ اک شخص وارد ہوا ایک رات
نہ تھا آدمی نور کا تھا ظہور
گئے کچھ دنوں میں وہ اُپہیں مل
محبت میں تھی اسکی وہ بھی بھری
خدا جانے پھینکا ہو اس کو کدھر
کہ مدت سے اسکی خبر کچھ نہیں
یہا ننگ تو پہونچی برزگن ہوئی
اگر تم ذرا کھوج اس کا کرو
تو پھر آرزو بھی ہماری ملے
تمھارا بھی اس کام میں کام ہو
انگوٹھا دکھایا کہ اترانہ جا

دیکھو اسکی

نارنگی

نہ ہوا اسکا

دیکھو الگ رنگ اور

سے بزرگن فراق زدہ ۱۲ سالہ ٹھیکہ دکھانا۔ بے ادائی جتنا چڑھانا ۱۲ سالہ

<p>لگی ہنس کے کہنے نہیں رہے نہیں تقید سے سب کو بلا کر کہا کہ ہو کستان میں قید آدمی جو اہر کے دو لگا لگا اسکے پر تجس میں پھرنے لگے صبح و شام جہاں قید میں تھا وہ خستہ جگر تو کچھ اُسکو آئی صدا چاہ سے کہ آتی ہوں یاں بوسے گلزار داغ لگا پوچھنے کس کی ہے یہ صدا کنویں میں زہ پتا جو اک نوجواں اڑا شہر کو اپنے دیو سفید سن آیا جو کچھ تھا سنا یا کلام جو دینا کہا ہے سود لو اے جو اہر کے اُسکو دیے پر لگا</p>	<p>کہا پھر ہی کچھ نہیں رہے جہیں یہ سن قوم کو اپنی اُس نے بلا کہ جاؤ تو ڈھونڈھو کر دمت کمی جو تم میں سے لاویگا اُسکی خبر یہ سن اپنے سردار کا سب کلام ہوا ایک کاناکاں واں گزر وہ روتا جو تھا نالہ و آہ سے کہا کچھ تو ملتا ہوں یاں سے سراغ وہ جو کی کے جو دیوتھے جا بجا کہا ماہر خ کا بے قیدی یہاں وہ تحقیق کر اورے واں کا بھید کیا جا کے فیروز شہ کو سلام کہا میرا جگر ہے اب لائے جو معمول تھا واں کے انعام کا</p>
---	---

داستان پیغام بھیجنے میں فیروز شاہ کے ماہر خ کو

<p>کہ کیوں زلیست کرتی ہو اپنی حرام بٹھاتی ہے گھر میں تعشق جتنا تو کیا حال ہو تیرا پھر لے چنال</p>	<p>یہ بھیجا پھر اس ماہر خ کو پیام بنی آدموں کو تو چوری سے لا ترے باپ کو گر لکھوں تیرا حال</p>
---	---

لے خوا۔ ادب سے سلام کرنا اسی

عزیز اپنی رکھتی نہیں جان کو
 ترانگ غیرت سے اڑتا نہیں
 ہمارا گئی بھول خوف و خطر
 بھلا چاہتی ہے تو اُس کو نکال
 اور اس کی قسم کھا کہ پھر گر کہیں
 گیا ماہرخ کو یہ فرمان جب
 کہا مجھ سے تقصیر اب تو ہوئی
 اگر اب میں لاگو ہوں اُسکی کبھی
 پر اتنا یہ احسان مجھ پر کر و
 مرے باپ کو یہ نہ ہووے خبر
 یہ سنکر جواب اُسکا فیروز شاہ
 سرچاہ پر جب وہ پہونچا شفیق
 کہ یہ سنگ اکھڑے یہاں سے پہنچے
 اکھڑے تھے جو دے دیو داں جو نہ پاڑا
 وہ پتھر جو تھا کوہ سا سنگ سہرا
 وہ بادل سا سر کا جو اُس چاہ سے
 اندھیرے سے اس چاہ کے اسکا تن
 وہ من ڈالے اُس میں پڑا تھا جواں
 نکالو امانت ابھی اس منط

بہی ہے کہ بھونکوں پرستان کو
 تھے کیا پریزا د جڑتا نہیں
 لگی رکھنے انسان پر تو نظر
 کنویں میں جسے تو نے رکھا ہو ڈال
 لیا نام اُس کا تو پھر تو نہیں
 ہوئی خوف سے وہ پریشان تب
 کہو اُسکو لے جائے یاں سے کوئی
 تو پھر بھونک دیکھو مجھے تم تبھی
 کہ اس کا پرستان میں چرچا نہ ہو
 کہ پھر میں نہ ایدھر کی ہوں نے ادھر
 چلا اپنے گھر سے جہاں تھا وہ چاہ
 کہا اُنکو تھے وہ جو اُسکے رفیق
 کسی طرح چھاتی سے پتھر ملے
 انھوں نے دیا اپنے سینے کو گھاڑ
 دیا پھینک دیاں سے اُسے مثل کاٹھ
 تو اک نور چمکا شب ماہ سے
 نظریوں پڑا جیسے کالے کا من
 کہا اُس پریزا د نے سب کو ہاں
 کہ لیتے ہیں بوشک سے جس منط

سنگ راہ۔ وہ چیز جس سے آمد و رفت میں لاکاؤ ہو ۱۲ لکے

درجہ پنجم

درجہ شانسی

درجہ

درجہ

درجہ

درجہ

نہیں احتیاط اسکی اب ہے ضرور
بچھو اسے اپنی تیلی کا نور

داستان کنویں سے نکلنے میں مینظیر کے

قدح بھر کے لاساقی با تمیز
گئے دن خزاں کے اور آئی بہار
گلابی چھلکتی پلا دے مجھے
کہ وہ ماہِ خشبِ کنویں سے نکل
کوئی دیوتا واں سکندر نژاد
الگ یوں لے آیا کنویں سے نکال
لے آیا وہ جوں خضر سو گھات سے
ہوئی مست اس نازبو سے وہ کل
اندھیرے سے نکلا وہ روشن بیاں
وہ جیتا تو نکلا ولے اس طرح
زبس اوپر آنے کا تھا اُسکو غم
جھی خاک تن پر برنگ ز میں

کنویں سے نکلتا ابو یوسف عزیز
سے لالہ گوں سے دکھا لالہ دار
سماں کوئی ایسا دکھا دے مجھے
سنا زل کو اپنے پھرے بر محل
کنویں میں اُتر کر بحسب مراد
کہ فوارہ جوں آب کو دے اُچھال
نکال آب حیواں کو ظلمات سے
کہ نکلا وہ سنبل سے مانند گل
کہ حرفوں سے جوں ہو دینِ معنی عیاں
کہ بیمار ہو نزع میں جس طرح
کہے تو کہ بھرتا تھا اوپر کا دم
گڑا جیسے نکلے ہے مبتلا کہیں

۱۵ ماہِ خشبِ مخضب اور اراکھنہ کے ایک شہر کا نام جو شہرِ سبز کے نام سے مشہور ہو
یہاں ایک حکیم ابن عطائے جو ابنِ مقفع کے نام سے مشہور ہے۔ پیارہ و غیرہ سے ایک چاند بنایا
تھا۔ اور وہ چاند مدتِ دو ماہ تک ہر رات کو کنویں سے نکلتا تھا یہ کنواں یا مین کوہِ سیام میں واقع
تھا۔ اس چاند کی چار فرنگ تک روشنی ہوتی تھی یہ کنواں جس سے چاند نکلتا تھا مخضب سے دو
فرنگ پر واقع تھا ۱۲ ۱۵ اوپر کا دم بھرتا مراد آخری سانسوں سے ۱۱ آسی

نہ آنکھوں میں طاقیت نہ تن میں تپاں
 وہ تن سرخ جو تھا سو پیلا ہوا
 وہ سر میں جو تھے اُسکے سنبل سبکال
 فقط پوست باقی تھا اور استخوان
 بدن سے رگوں کی تھی اسٹھ مہینہ د
 بدن خشک زرد اس طرح تھا وہ گل
 وہ ناخن جو تھے اُسکے منحنی ہلال
 یہ دیکھا جو احوال اُسکا تبساہ
 بٹھا تخت پر اپنے اُسکو وہاں
 رکھا تخت اک جا پہ اُسکا چھپا
 چل اب تو کہ میں اُسکو لایا یہاں
 دوانی تھی از بس وہ اس ناؤں کی
 کہا چل کہاں ہے بتا تو مجھے
 کہارہ کے چلیو ذرا ختم رہو
 یہ کہہ اور لے ہاتھ میں اُسکا ہاتھ
 گیا آپ اس تخت پر بیٹھ اور
 جسے ڈھونڈھتی تھی سو یہ ہو وہی
 یہ کہہ اور اُس تخت کے پاس آ
 کہ اس تخت کے گرد اکدم پھردن

کہ جوں خشک ہو زنگیں بوستان
 وہ جوڑا جو تھا سبز نیلا ہوا
 ہوئے لاغری سے بدن کی دبال
 نہ تھا خون کارنگ بھی درمیاں
 کہ اُنکھی ہو جوں ریسماں کبود
 خزاں دیدہ ہو جس طرح برگ گل
 سودہ ہو گئے بڑھکے بدر کمال
 تو روتا ہوا جلد فیروز شاہ
 لے آیا وہ بیٹھی تھی جو گن جہاں
 کہا پھر یہ جا کر کہ جسم النساء
 یہ سنتے ہی گھبرا گئے بولی کہاں
 نہ سر کی رہی سدھ نہ کچھ پاؤں کی
 ذرا اُسکی صورت دکھا تو مجھے
 کہ شادی بڑی ہے کہیں غم نہ ہو
 لے آیا وہ جو گن کو وال ساتھ ساتھ
 دکھایا اُسے اور کہا کہ تو غور
 کہا ہاں رہے ہاں یہ تو ہی ہو وہی
 کہا اسے پریزا د تو اُنکھ ذرا
 بلائیں میں دل کھو کر اسکی لوں

نئی نئی کہانیاں

لے نام ۱۲ آسی

کہا اُس نے ہنس کر بھلا دیکھ تو
 کہا اُس نے تب اپنی جوتی دکھا
 غرض وہ پر زادینچے ۱ تر
 یہ اُس تخت کے گرد پھرنے لگی
 گلے لگ کے رونے لگی زار زار
 وہ دیکھے چونک آنکھ اٹھاپے نظیر
 کہا تو کہاں اور کس کا یہ جوگ
 کہا تیرے غم نے دوانہ کیا
 بغل کھول کر دونوں آپس میں مل
 بیان اپنا دونوں جو کرنے لگے
 کسی سرگذشت اُسے اُس دم تک
 یہ سن بنظیر اپنے دلسوز سے
 کیا ایک دن تو انھوں نے مقام
 اُسی تخت پر بیٹھ کر وہ اُدھر
 وہ جو کن وہ فیروز شاہ اور وہ ماہ
 پڑھے حرف مطلب زبیں سوچ کر
 مریع نشیں تھی جو بد ر منیر
 اُمارا وہیں لا درختوں میں تخت
 اکیلی اُتر واں سے آئی ادھر
 یکایک جو آوہ قدم پر گری

دلوں کیسا یہ جوگ

داخل

تو اس بات پر میرے جلدی تھی ہو
 اے دیو تو کیوں دوانہ ہوا
 کھڑا ہو گیا تخت سے ہوا دھر
 بلا اُس کی لے لے کے گرنے لگی
 کیا اپنے تن من کو اُس پر نثار
 تو نجم النساء ہے یہ دخت وزیر
 کہاں یہ لباس اور کہاں تم یہ لوگ
 کہ عالم سے اپنے بگناہ کیا
 دے رو یا کیے دیر تک متصل
 دُر اشک سے چشم بھرنے لگے
 کہ اس طرح ہو پئے ہو تم ہم تک
 لگا شاد ہونے اُسی روز سے
 چلے دوسرے دن وہ نزدیک شام
 کہ تھا نقش مطلوب اُنکا جدھر
 چلے تخت پر بیٹھ اوپر کی راہ
 توبے کسر بیٹھے مثلث کے گھر
 وہاں اُسکو لائی وہ دخت وزیر
 دوبارہ کھلے اُن درختوں کے بخت
 یے سوگ بیٹھی تھی وہ مہ جدھر
 تو بھچکی وہ شہزادی در کچھ ڈری

پھر آخر جو دیکھا تو جو گن ہے یہ
 کما میری، نجم النساء تو ہے جان
 ہمیں تیرے لئے کی کیا اس تھی
 بہت اُسے چاہا کہ ہو دے کھڑی
 کہا بار غم سے افاقت نہیں
 بلائیں لگی لینے نجم النساء
 اُسے شاہزادی کا تھا حال یاد
 نہ کھری وہ رونق نہ اُسکا وہ حال
 پڑے سارے بے دشت دیوار دور
 خواہیں جو تھیں پاس وہ ناثریں
 نہ جوئی گندھی اور نہ کنکھی دست
 ہر اک اپنے عالم میں دیکھو تو دنگ
 نہ آپس کی چلیں نہ وہ پیچھے
 غم آلودہ ہر ایک زار و نزار
 جو بٹھکیں تو رونا جو اٹھیں تو غم
 چمن سارے ویران سے ہیں پڑے
 جو خود ہے تو حیران و بیمار سی
 نہ تاب و توان اور نہ ہوش و حواس
 یہ دیکھ اُس کا احوال نجم النساء
 لیکن محل میں پڑی جب یہ دھوم

مرے درد و غم کی بردگن ہے یہ
 اری تیرے صدقے مری مہربان
 کہ نہ جینے سے اپنے ہمیں پاس تھی
 کھڑی ہوتے ہوتے دیں گر پڑی
 اری کیا کروں مجھ میں طاقت نہیں
 لگی گرد پھرنے بزنک صبا
 جو تو دیکھا تو یاں اُس سے کچھ ہو زیاد
 گلوں سے لگا دل تلک پائمال
 محل کو جو دیکھا تو ٹوٹا سا گھر
 سو میلی کپلی کہیں کی کہیں
 جو چالاک تھی بن گئی وہ بھی مست
 اڑا رنگ پھرے کا مثل تنگ
 نہ گانا بجانا نہ وہ فتنے
 نہ آرام جی کو نہ دل کو قرار
 غرض ملٹتے اٹھتے اُن پرستم
 شجر گل کے اک بھاٹے ہیں کھڑے
 کہ جوں زرد شیشے کی ہو آرسی
 ضعیف و نحیف و پریشان داس
 جلی شمع کی طرح اُنسو بہا
 کیا مثل پر دانہ اُس پر ہجوم

نہایت سے بے نشان

نہایت سے بے نشان

نہایت سے بے نشان

سنی ایک نے ایک سے یہ خبر
کوئی غنچے کی طرح کھلنے لگی
کھلے کوئی صدقے کے لانے لگی
کوئی آئی باہر سے گھر سے کوئی
حقیقت لگی پوچھنے آ کوئی
ہوا سر پہ اسکے زبیں اثر و حام
کہا بی بیو کل کہوں گی میں حال
وہ انبوه جب کچھ ہوا بر طرف
کہا شاہزادی تو آتی نہیں
جلو چل کے آرام تک کیجیے
گئی جبکہ خلوت میں بدر منیر
یہ سن ایک دم تو وہ غش کر گئی
تعب سے پوچھا کہ سچ مجھ پر یہ
کہا مجھ کو سو گند اس جان کی
نشاط و خوشی کی خبر یک بیک
کہا کیونکہ لائی کہا اس طرح
ترا قیدی جا کر چھڑا لائی ہوں
کہا پھر وہ دونوں کہاں ہیں کہا
عجب دقت میں میں ہوئی کتنی جدا

مبارک سلامت ہوئی یکدم گر
کوئی دودھ کر اس سے ملنے لگی
کوئی سر سے روٹی چھو آنے لگی
ادھر سے کوئی اور ادھر سے کوئی
لگی کرنے آپس میں چرچا کوئی
لگی کرنے گھبرا کے سب کو سلام
کہ اب راہ کی ماندگی ہے کمال
تو پھر دیکھ نجم النساء ہر طرف
ادھر اپنی تشریف لاتی نہیں
کچھ اک تم سے کہنا ہے سن لیجیے
کہا میں نے آئی ترا بینظیر
کہے تو کہ حیرت میں آ کر گئی
دیا چھڑنے کو مرے کچھ جو یہ
غلط کہنے والی میں قربان کی
نہیں منہ پہ کہہ بیٹھتے بید ہر اک
وہ سب کہہ با حال تھا جس طرح
اور اک اور بندھا اڑا لائی ہوں
درختوں میں انکو رکھا ہے چھپا
کہ دلیر کو تیرے دیا لا لالہ

دل

نہ

دل

یہ سن سن کے باتیں وہ پردہ نشیں
جیاسے پھر اگر جو بیٹھی وہ پاس
ادھر اشک خونیں ادھر چشم غم
نہ وہ انگٹا اسکا نہ وہ اسکا حال
بہم دو خزاں دیدہ گلزار سے
عجب صحبت آپسین آسدم ہوئی
وہ نجم النساء اور فیروز شاہ
سرشک محبت بہانے لگے
اور اس طرف کو شاہزادہ تہ حال
وہ مجروح دل تھی جو بدر منیر
چھپا منہ کو اس طرف سے نازیں
پڑیں غم کی باتیں جو آدمیاں
غرض دیر تک مل کے رہتے تھے
رخ زرد پر اشک گلگوں بہا
کلیجوں پہ جو داغ تھے بے شمار
پھر آخر کو نجم النساء وہ شریر
کیا چاہتی ہے تو اب قہر کیا
مگر تیری خاطر یہ رویا ہے کم
ذرات میں آنے دے اسکے تو ان
یہ مردہ سالانی ہوں میں اس لیے

چلی آئی اک ناز سے ناز میں
پھر آہی گئے اسکو ہوش و جو اس
اُسے اسکا غم اور اسے اسکا غم
تن زرد زرد اور رخ لال لال
ملے جیسے بیمار بیمار سے
کہ ایسی بھی صحبت بہت کم ہوئی
جیاسے یکے اپنی نیچی نگاہ
اس احوال پر حیف کھانے لگے
لگا روئے آنکھوں پہ دھکر و مال
لگی کھینچنے اپنی آہوں کے تیر
لگی کرنے تر دامن و آستیں
یہ رونی کہ لگ لگ گئیں ہچکیاں
جدائی کے داغوں کو دھوتے تھے
بہار و خزاں کو کیا ایک جا
سو آنکھوں سے اُنکی دکھائی بہار
لگی کہنے سنتی ہے بدر منیر
زیادہ نہ بس اپنی الفت جتا
کہ تو اور رو رو کے دیتی ہو غم
ابھی اسکو روئے کی طاقت کہاں
کہ دیکھے سے تیرے شبانی بیچے

کہ ہے خانہ یار دار الشفا
جیسا ہے فقط تیرے ملنے کی سُن
کسی طرح اس نیم جاں کو جلا
خدا بچہ نہ تم کو ڈلا لے کبھو
رہیں دو بچے منہ پھلائے ہوئے
پڑیں جس طرح پھول گلشن میں کھل
آہٹنے لگے دل سے عیش و نشاط
شکست سے ہر اک کے آگے دھرا
کیا نوش حسب تمنائے دل
الگ خواہجا ہوں میں جاسو گئے
ہوئے اس مزے میں وہ خوانی خیال
ہوئی لٹے لٹے عجب گفتگو
لگے رونے آنکھوں پہ دھڑک رہا
کنویں میں جو گزرا تھا رنج و تعب
کنویں میں تن اپنا ڈبو یا کیا
تڑپتا رہا دل برنگ جرس
سدا میری چھاتی پہ پتھر رہا
کہ تن کے تھیں جیتے جی گوری
فلک کے مجھے ہاتھ سے یاس تھی
تری جان سے دور مارتا رہا

وہاں میں نے اسکی نہیں کی دوا
لے آئی ہے اسکو محبت کی دھن
اسے وصل کی اپنے دار و پلا
بس اب کچھ خوشی کی کرو گفتگو
نہیں خوشنما پاس آئے ہوئے
یہ سن ہنس پڑے سب وہ آپس میں مل
ہم پھر تو رہو نے لگے اختلاط
شب آدھی گئی جب تو خاصہ منکا
عجب چل سے رہے آپس میں مل
پھر آخر کو دو دو جدا ہو گئے
اٹھائے تھے جو جو کہ رنج و ملال
الگ ہو کے لیٹی جو وہ ماہر و
وہ گذرا ہوا یاد کر کے نیکے حال
کہا شاہزادے نے احوال سب
کہ یوں میں اندھیرے میں دیا کیا
نہ پہنچا کوئی میرا فریاد رس
وہ تاریک خانہ مرا گھر رہا
محبت نے یہ چاشنی اذری دی
زمین سے نکلنے کی کب آس تھی
عجب طرح سے زلیست کرتا رہا

خدا ہی نے تجھ سے ملایا مجھے
 ویا شاہزادی نے رور و جواب
 ترے دل غم کی دل میں جو بونگئی
 تو کیا دکھیتی ہوں کہ صحرا ہے ایک
 صداواں سے آتی ہے بد منیر
 میں ہر چند جاہا کروں تجھ سے بات
 مریجان گو اس طرف ڈھل گئی
 عجب اُس گھڑی مجھ پہ گزرا قلق
 اسی دن سے یہ حال پہونچا مرا
 نہ دیتا تھا گو کوئی تیری خبر
 گزرتا تھا واں تجھ پہ جو صبح و شام
 پہ کستی میں کس سے یہ درد نہاں
 عجب طرح سے زلیت کرتی تھی میں
 اسی غم میں رہتی تھی لیل و نہار
 مری شکل پر رو کے نجم النساء
 پھر آگے تو معلوم ہے تم کو سب
 یہ آپس میں کہہ حال دل رواٹھی
 جو ملتے ہیں بچھڑے ہوئے ایک جا
 پریزاد نجم النساء داں جدے
 گئی رات حرف و حکایات میں

اٹھا قبر سے پھر جلایا سیٹھے
 کہ میں نے بھی اک شب یہ دیکھا تھا خواب
 میں اک رات روتی ہوئی سو گئی
 اور کہیں دشت نہوں میں کنواں سا ہو ایک
 ادھر کہ یاں قید ہے بی نظیر
 ولے کی گئی واں نہ کچھ مجھ سے بات
 اسی دم مری آنکھ پھر کھل گئی
 کہ دل اور جگر ہو گیا میرا شق
 کہ مرنی رہی نام لے لے ترا
 ولے تھا ترے غم سے دل کو اثر
 وہ اندھیر تھا مجھ پہ روشن تمام
 شب و روز جلتی تھی میں شمع سلا
 کہ اس زلیت کرنے سے مرنی تھی میں
 کہ کیونکر ملا دے گا پروردگار
 گئی اس طرح حال اپنا بنا
 کہ ہم تم ملے پھر اسی کے سبب
 وہ کہنے کو سوئی تھی بس سو اٹھی
 انھیں نمیند باتوں میں آتی ہو کیا
 الگ اپنی باتوں میں سرگرم تھے
 سحر ہو گئی بات کی بات میں

نہایت

نہایت کی

نہایت

<p>تو سو توں کو گویا خبر ہو گئی اٹھا بستر خواب سے آفتاب شہر اپ شفق سے بھرے اپنا جام وہ سو توں کو شب کے جگانے لگا پسید و سید میں ہوا امتیاز نکل آئے ایدھر اُدھر سے دھگل گئے باری باری سے حمام وہ چمن میں نئے سرے آئی بہار جی گرد اپنے بدن سے چھڑا کہ الماس نیکے ہو جوں کان سے نکل آئے بدلی سے جس طرح دھوپ کہ پوشاک کی سرخ لالے کے طور لیا سرخ لالہ ہی کا جوڑا پہن طلا کی طرح سے دیا دگر گھا تصور میں ہو سرخ جس کے قیاس کہ جوں شعلہ آتش سے اُٹھے بھڑک بھری اپنے جوہر میں اخڑتیاں تڑا آئے کی کیا کسی ٹھیک ٹھاک</p>	<p>شب وصل کی جو سحر ہو گئی لیا ماہ نے اپنے منہ پر نقاب صبحی کو اٹھتا ہے جیسے دمام یہ روز کو ساتھ آنے لگا ہوئی چشم لگا اور مرگاں دراز کیا عقدہ صبح اُس دم جو کھل اُٹھے جب کہ آپس میں گلفام وہ دوبارہ کیا سب نے اپنا سنگار وہ جو گن ہوئی تھی جو نجم النسا نہا دھوکے نکلی عجب آن سے نہانے سے نکلا عجب اسکا روپ وے آگ اُسے لگائی یہ اور جلانے کو عاشق کے دکھلا پھین تماری کی نجات اُس پر لگا اُسی رنگ کے ساتھ کا سب لباس بھجھو کا ساتن اور وہ متھ کی دیک کیلی وہ اُٹھتی ہوئی چھاتیاں لگے کی صفائی وہ کرتی ہواک</p>
<p>۵۷ دگر گانا - چکنا - روشن ہونا - سرخ ہونا</p>	<p>۵۷ لایہ ایک قسم کا باریک ریشمی کپڑا ۱۲۱ ۵۷ ایک چکرار کپڑا ۱۲۱ اسی</p>

وہ کچن لکھی اُسیں کچیں لال لال
 تلاہٹ وہ بھٹنی کی اُس سے نمود
 گیا باغبان حسن کا دھر کے بھول
 کہے تو لیے اپنے منہ پر نقاب
 بنت گرد اُس کے نہ کیونکر پھرے
 وہ پا جامہ سبز کنو اب اور
 جو اہر سجا اپنے موقع سے گل
 وہ گلہنی کھنچی اور وہ ابرو کھنچے
 کھجوری وہ چوٹی زری کا موبان
 عوسانہ اُس نے کیا جو لباس
 بنی جبکہ اس رنگ وہ رنگ حور
 پر زاد تو قتل ہی ہو گیا
 جیاسے نہ کی بات نے کچھ کہا
 وہ بن ٹھن کے آپس رہنے لگے
 خوشی سے ہوے بسکہ سر سبز دل
 ضیافت بہم مل کے کھانے لگے
 چھپے عیش و عشرت وہ کرتے رہے
 اگرچہ ہر اک وصل سے شاد تھا

بھرنی رنگ سے مقعے کی مثال
 کہ چون سرخ چہرے پہ خال کہ بود
 کنول کی کلی پر بنفشہ کا پھول
 شفق میں چھپے جوں مہ و آفتاب
 کہ واں گو کھرو لہر کھا کر گرے
 دوپٹہ بنارس کا سورج کے طور
 ترشح میں ہو جیسے غدیدہ گل
 ہر اک آن میں اپنی ہر سو کھنچے
 کہ جوں دود کے بعد شعلہ ہوش
 تو آنے لگی خون کی اُسیں باس
 چلی آئی فیروز شہ کے حضور
 کہے تو کوئی جان سے کھو گیا
 ولے جی سے قربان اُسپر رہا
 بہم راز دل اپنے کہنے لگے
 لگے سبزیاں اپنے آپس میں مل
 وہ غم کھانے اُنکے ٹھکانے لگے
 پہ غیروں کے چوچے سے ڈرتے رہے
 ولے ہجر کا غم اُنھیں یاد تھا

۱۱۸ کنہ۔ صاف شبہ ۱۲۔ تلاہٹ۔ نیلا پن۔ بھٹنی۔ پستان کے اوپر کی گھنڈی ۱۲۔

۱۱۹ کھجوری چوٹی۔ چوٹی کی ایک قسم کی مضبوط گندھاوٹ ۱۱۔ سبزی۔ بھنگ ۱۲۔ اسی

یہ ٹھہرا کے نکلے وہ دو ماہر و غضب جو یو نہیں دوبارہ میں سہی ہے یہ تکلیف آرام کو نصیب اس طرح سے جو یاری کریں جب آپس میں یہ مشورے ہو گئے وہ نجم النساء اور وہ بدر منیر میں گھر میں پھر جا کے ماں باپ کے محل بنیظیر اور وہ فیروز شاہ کہ اسباب سب سلطنت کا درست وہاں کا جو تھا شاہ غم سپاہ	کہ اس بات کو کیجیے ایک سو چھپے کب تلک آشکارا رہیں یہ ناکامیاں ورنہ کس کام کو عیاں کیوں نہ ہم خواستگاری کریں ادھر اور ادھر مل کے دو درخت گئے کچھ اک کہ بہانہ وہ دونوں شریہ کہ دیکھیں گے اب ہم قدم آپ کے کسی شہر میں رکھ کے فوج و سپاہ پھر آئے اُسی جا پہ چالاک چست جسے لوگ کہتے تھے مسعود شاہ
---	---

امام حسین بنیظیر کا مسعود شاہ کو خواستگاری میں بد مزہ کے

کیا نامہ یوں ایک اُسکو رقم فریدوں مثال و سکندر نژاد جہاں شجاعت زمان کرم میں وارد ہوں یاں یک ماں غریب نوازش سے اپنی کرم کیجیے ہمیشہ سے ہے راہ و رسم جہاں جہاں پر ہر دشمن کہ میں ماہ ہوں ہر اک مجھ سے واقف ہے بڑا و پیر	کہ اے شاہ شاہاں دے خرچم مراد جہاں و جہاں مراد دل رسم گرد حاتم ہجم لے آئے ہیں مجھ کو مے یاں نصیب غلامی میں اپنی مجھے لیجیے کہ وابستہ یو نہیں ہے کار جہاں ملک نے ادھ ابن ملک شاہ ہوں کہ ہے نام میرا شہ بے نظیر
--	---

<p>تجمل لکھا قوج والا ہوا دل کا لکھا حرف اک یہ بھی آخر کی بار وہ ہوا اپنے مذہب میں پناہ لیت نہیں آپ آیا ہمیں جائے سنا اور پڑھا خط کا مضمون تھا کہ اتنی ہے قوج اور یہ کچھ ہوا پھر ہمیں خدا جانے کیا رنگ ہو کہ پیوند ہوتے ہیں باہم نہال ہمیشہ سے عالم برومند ہے</p>	<p>بیار، سب کیا ماضی و حال کا جتنا کر بہت عجز اور انکسار کہ جو ہووے برعکس شرع شریف اگر مانے خیر تو مانے کیا یہ جو مسعود شاہ کو پیام سمجھ اسکا مضمون مسعود شاہ اگر جنگ ہو تو بڑی جنگ ہو اور آخر یہی ہے زمانہ کی چال نہ تازی یہ کچھ رسم پیوند ہے</p>
---	--

نکاح

جواب نامہ منظر کا ملک مسعود شاہ سے

<p>کہ عاقل کو نکتہ لگے ہے کتاب پس از نعت احمد شہ انبیا وہ راز نہاں اپنے ہاتھوں کھلا نہیں اپنے نزدیک ہم دور ہیں تمہارے فلک کو نہ خاطر میں لائیں نہیں نیک بدیر بھیں اپنے غور سدا تاؤ کا عقد نمی بہتی نہیں وگر نہ گھنڈا آپ کا کیا ہے یہ</p>	<p>لکھا نامہ اسکے دوہیں در جواب لکھا بعد حمد و ثناء سے خدا کہ نامہ تمہارا جو سر بستہ تھا شرعیت کے عالم میں مجبور ہیں اگر ہم سمجھی اپنے دعوے کی نہیں ابھی گھر سے نکلے ہو لڑکوں کے طور کسی پاس دولت یہ رہتی نہیں وے کیا کریں رسم دنیا ہے یہ</p>
--	---

نکاح

نکاح

لے برومند پھل دینے والا ۱۲۵۷ھ دور ہیں یعنی ہمارے خیالات بہت بلند ہیں ۱۲۵۷ھ

<p>زبیں ہم کو سبے پاس شرع رسول خلافت پیمبر کے رہ گزید اک اچھی سی تاریخ ٹھہرائے گیا اپلی لے کے نامہ اُدھر سنی یہ جو نامہ کی گفت و شنید کشاہد ہوئے دل جو تھے غم سے تنگ ہوئیں بر طرف سب دل آزاریاں بلا شگنیوں کو بتا سال و سن</p>	<p>سوا واسطے کرتے ہیں ہم قبول کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید دیا حکم ہم نے تھیں اُسے اڑی ہر طرف بخوشی کی خبر ہوئی شاہزادے کو گو یا کہ عید اُسی دن سے ہونے لگے راگ رنگ لگیں ہونے شادی کی تیاریاں مقرر کیا نیک ساعت کا دن</p>
--	--

داستان منظر اور پیر منیر کے بیاہ کی اور اُس کے بھل میں

<p>کہ تھریے تو اے ساتی گلبدن بکامطربان خوش آواز کو وہ اسباب شادی کا تیار ہو بڑی خواہشوں سے جب آیا وہ روز محل سے نکل جب ہوا وہ سوار</p>	<p>دھری آج اُس شمعرو کی لگن کہ آویں بے اپنے سب ساز کو مکر نہ پھر جس کی تکرار ہو چڑھا بیاہنے وہ مہ دہل فروز بجے شادیا نے ہم ایک بار</p>
--	--

۱۔ جینیر صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے خلافت ہو کر رستہ چلا وہ منزل پر نہیں پہنچ سکا
۲۔ گن دھرنہ بیاہ کے پہلے دہلی کے واسطے کے یہاں سے کچھ سامان اور شادی کے متعلق
مقرر کردہ تاریخ کا ایک تھریے کہ دوکانہ لڑکے کے واسطے کے یہاں جاتا ہے ۱۲۔

<p>کروں اُس تجلِ گام کیو تکر بیاں وہ دو لہا کے اٹھتے ہی اک غل پڑا کوئی دوڑ گھوڑوں کو لانے لگا لگا کہنے کوئی ادھر آئیو کسی نے کسی کو پکارا کہیں کوئی پا لکی میں چلا ہو سوار جو کثرت میں دیکھا کہ گاڑی نہیں پیر اور قبضے کھڑکنے لگے ٹھوڑے وہ ثوبت کے اور لنگے بعد وہ شہنایوں کی سہانی دھنیں ہزاروں تمامی کے تخت رواں وہ طیلوں کا بچنا اور اُن کی صدا وہ نوشہ کا گھوڑے پہ ہونا سوار ٹھہر کر وہ گھوڑوں کا چلنا سنبھل وہ فانیوں آگے زمرہ نگار دورستہ جو روشن چراغاں ہوے ہوا دن جو روشن چراغان سے چراغوں کے ترپو لیے جا بجا</p>	<p>کہ باہر ہے تقریر سے وہ سماں لگا دیکھنے اٹھ کے چھوٹا بڑا کوئی ہاتھیوں کو بٹھانے لگا ارے رتھ شتابی مری لائیو نہ لانے پہ پٹیانے کے مارا کہیں پیادوں کی رکھ اپنے آگے قطار کوئی مانگے مانگے میں بیٹھا کہیں سواروں کے گھوڑے بھڑکنے لگے گر جتا وہ دھونسوں کا مانند رعد جنھیں گوش زہرہ مفصل سنیں اور اہل نشاط اُن پہ جلوہ کنان وہ گانا کہ اچھا بنا لاڈ لا وہ موتی کا سہرا جو اہر نگار بھاگے وہ دونوں طرف موڑھل کہ ہو سبز مینا جنھوں پر نثار پتنگے خوشی سے غزلچواں ہوے پڑھے شعر توری کے دیوان سے اور اُن میں وہ باز آریو کی صدا</p>
---	---

۱۵۰ یاد ایک سواری جسے کمار وغیرہ اٹھاتے ہیں ۱۲۰ مانگے مانگے کی چیز مستعار ۱۳۰ ٹھوڑا
ثوبت اور ٹھوڑی کی آواز۔ دھونس بڑا آواز ۱۲۰ ترپو لیا تین درکے بنائے ہوئے دروازے ۱۱

سحر اول

دور دست

سحر اول

سحر اول

کوئی دال موٹھ اور سلونے کوئی
چنگے کریں جوں چراغوں پہ دھوم
گر جادو دھونوں کا دھونے کی سیانہ
وہ آواز قرنا اور آواز بوق
کہ تا چرخ پہونچے صدا اُنکی پیر
وہ ہاتھی کہ دو دیوتے جنگ کے
کے تو کہ تنکے کی او جھل پہاڑ
کسی پر کنول اور کسی پر درخت
کھلے جس طرح لالہ نور یاغ
طلسمات کی سی ہوا پر بہار
ستاروں کا چھٹنا پٹا خون کا شور
تو ہاتھی لگے بن کو پھر بھاگنے
ہر اک رنگ کی جس سے دنی بہار
سیا ہی اڑی شب کی کا نور ہو
کہ جوں نور کے مشتعل ہوں پہاڑ
پھر یہ برق کی طرح ایدھر ادھر
زمین و زماں پھر گیا نور سے
کہوں دانکے عالم کی کیا تم سے بات
دھرے تلخے گرد و غبر سرشت

کوئی پان بیسے کھلو نے کوئی
تماشا یوں کا جدا اک ہجوم
کہ کنا وہ نوبت کا باجوں کے ساتھ
برائی ادھر اور ادھر جوق جوق
وہ کانے پیادے وہ ان کی نفیر
وہ آرائش اور گل کئی رنگ کے
وہ ابرک کی ٹٹی وہ مینے کے جھاڑ
دورستہ برابر برابر وہ تخت
وہ رنگیں کنول اور وہ شمع و چراغ
جہاں تک نظر آوے ان کی قطار
اناروں کا دغنا بھینے کا زور
اڑایا ستاروں کو جو آگ نے
وہ مہتاب کا چھوٹنا بار بار
دھواں چھپ گیا نور میں نور ہو
سراسر وہ ہر طرف شعل کے جھاڑ
زری پوش شہر و ارباب یکدگر
کے تو کہ نزدیک و دور سے
جب آئی وہ دھون کے گھر پرست
ہوا دال کی صحت کی شک بہشت

۱۲۳۔ بوق۔ باجوں کے نام تری وغیرہ ۱۲۴۔ نفیر آواز ۱۲۵۔

<p> الٹ آستیں اور ٹہریکا چاک بنا کنگھی اور کر کے ابرو درست دوپٹے کو سر پر الٹ اور سفیل پکڑ کان اور گھنگروں کو اٹھا ادھر اور ادھر رکھ کے کاندھے پہ ہاتھ فتح چند کے ہاتھ کی صورت ایک کبھی ناچنا اور گانا کبھی خوش آوازیاں اور گانا خیال وہ شادی کی مجلس وہ گانیکا رنگ وہ پھولوں کے گننے کنارے کے ہار وہ بیڑوں کے پتے پڑے ہر طرف ادھر کا قیر رنگ تھا اور یہ راگ وہ گہری شادی مہار کے ڈھول اترنے کی واں سمجھنوں کی پھین گلوں میں پنچانا وہ ہنس ہنس کے ہار دکھانا وہ بن بن کے اپنا بناؤ تھاتے ہنسی شور و غل تالیاں </p>	<p> نئے سرے اگیلا کو کر ٹھیک ٹھاک جھٹک دامن اور ہو کے چالاک و چیت یکایک وہ صف چیر آنا مکمل پہن پاؤں میں اپنے سر سے چھو ا پٹے تاپتے آنا سنگین کے ساتھ لجائی ہوئی چاند سی صورت ایک رجھانا کبھی اور رہنا کبھی دکھانا ہر اک دم میں اپنا کمال وہ جی کی خوشی اور وہ دلی ترنگ وہ بیٹھی ہوئی رنڈیوں کی قطار غم دل جسے دیکھ ہو بر طرف محل میں ادھر گھوڑیاں اور ہر گ وہ ٹوٹنے سلونے وہ میٹھے بول کھلیں بھول جیسے چمن در چمن شطرسٹ وہ پھولوں کی چھڑوں کی مار وہ آپس کی رسمیں وہ آپس کے چاؤ سہانی سہانی نئی گالیاں </p>
--	---

سدا زانو سے وہ
 سدا زانو سے وہ
 سدا زانو سے وہ

۱۲۔ رنگت سفر اتی۔ سادہ سے ۱۲۔ تانا۔ بھاؤ تانا ۱۳۔ خیال۔ ایک راگ ۱۲
 ۱۴۔ گھوٹیاں ایک قسم کا گیت جو عورتیں شادی و بیاہ میں گاتی ہیں ۱۵۔ ٹوٹنے سلونے ایک قسم کا گیت
 جو عورتیں شادی میں گاتی ہیں اور وہ فتح بھی ہوتے ہیں ۱۶۔ تھاتے یعنی قہقہے ۱۷۔

غرض کیا لکھوں تاب مجھ میں نہیں نہ دیکھے گا عالم کوئی یہ کہیں

داستان نکاح ہونا منیظیر کا ساتھ پدرنیر کے اور
شادی نجم النساء کی پریرا دے اور حضرت بابائیں

مجھے بدے ابائے کے شربت پلا
کہ پھر میں گلے کا ترے بار ہوں
پلا سب کو شربت دیے خاصداں
محل میں بلائے کی ٹھہری صلاح
اڑے جسے بلبل چین کی طرف
ہوئے ٹوٹے لاکھ بہرہ شکو
کہ دو لھا دو لھن جب ہوے ایک جا
وہ منہدی سوہانی وہ پھو لو کی باس
کھلے ملے آپس میں دو نوٹے بھاگ
وہ رانیج میں سر پہ آنچل کو ڈال
خدا نے کیا آن کی آن میں
جسے آرسی دیکھ حیراں ہوئی

چھکا ہوں نشے میں بہت ساقیا
کسی پر نہ ایسا ہو جو بار ہوں
ہوا جب نکاح اور بٹے ہار پان
اٹھا پھر تو تو شاہ بعد از نکاح
چلا یوں وہ دو لھا دو لھن کی طرف
وہاں تک پہنچتے ہوے کیا کہوں
ہوا لیکن اُس وقت دو تا ہزار
عروسی وہ گناہ تو ہا لباس
ملا سرخ جوڑے پہ عطر سہاگ
دکھا مصحف اور آرسی کو نکال
نہ تھا وصل اس طرح کا دھیان میں
عجب قدرت حق نمایاں ہوئی

۱۱۔ بعض جا نکاح کے بعد اپنا تقیم ہوتے ہیں اور حاضرین کو شربت پلانے کی رسم ہے ۱۲۔
۱۳۔ ٹھیک ایک قسم کا سحر جتنی منتر ۱۲۔ سو بار سرخ ۱۲۔ آرسی مصحف شادی کی ایک
رسم جو مشہور ہے ۱۲۔ آرسی

وہ جلوئے کا ہونا وہ شادی کی دھوم
 کسی نے پسائی سرفروغ آن کر
 گئی کوئی داں گال سے کچھ لگا
 وہ شیریں جو بیٹھی تھی شیریں بنی
 چنائی نبات اسکو اس گھات سے
 زبیں دل تو تھا اس کا ہر جا پہ بند
 اٹھائی ڈلی اس کی آنکھوں سے یوں
 ڈلی وہ جو ہونٹھوئی تھی لب علی
 کمر سے اٹھائی ڈلی اس طرح
 ذرا پاؤں پڑ کے اٹھانے اڑا
 یہ ظاہر کی تھکار تھی بار بار
 عجب طرح کی رنگ ریاں ہوئیں
 وہ سب ہو چکی جبکہ رسم و رسوم
 سحر کا وہ ہونا وہ ٹونے کا وقت
 کھڑے سب کا لاچار منہ دیکھنا
 وہ دھن کارور کے ہونا جدا
 نکلتے وہ جانا محل سے جھیر

وہ آپس میں دو لہا دو لہن کی رسوم
 کوئی گالیاں دے گئی جان کر
 گئی کوئی دو لہن کی جوتی چھو
 نبات اسکی چنتے بنے کو بنی
 کہ ڈھکا دیا ہر گھڑی بات سے
 بھی جائے اُنے چنی کر پسند
 کریں نوش بادام شیریں کو جوں
 وہ مصری کی منہ سے اٹھائی ڈلی
 کہ ہاں ہوں نہیں کی نہیں جس طرح
 نہیں اور ہاں کا عجب غل پڑا
 وگر نہ دل اس پاؤں پر تھا تثار
 کہ باتیں وہ مصری کی ڈلیاں ہوئیں
 سواری کی ہونے لگی پھر تو دھوم
 وہ دو لہن کی رخصتہ روزیکا وقت
 کہ یارب یہ کیا ہے جہاں پکھتا
 وہ ماں باپ کا اور رونا جدا
 کہ جوں چشم سے اشک ہو موج خیز

منوی سحر البیان کی کتاب

منوی سحر البیان کی کتاب

سحر و دل کے روز دو لہا دو لہن کو اپنے سامنے بٹھا کر اگر کسی مصحف دکھانا ۱۲۷ سورج
 پسانا۔ یہ بھی ایک شادی کی رسم ہے ۱۲۸ نبات چڑانا۔ دھن کے کئی اعضاء پر مصری کی ڈلیاں رکھتے ہیں پور
 سے چنائی جاتی ہیں ۱۲۹ ڈھکانا۔ جان کر سنانا ۱۳۰ پکھتا بڑی بات ۱۳۱ اسی

کہ جانا ہے اک ن یو نہیں جان کو
وہ شادی کا لیتے ہیں غم سے مزا
بٹھانا محافے میں آخر کو لا
کیا دو طرف سے زر اُس پر نثار
سو موتی انھوں نے پنچھا در کے
وہ اک چاند سامنے دکھابے نظیر
کہ جوں صبح ہووے بلند آفتاب
یہ ساتھ ساتھ اپنے نوبت نشان
اور آگے وہ خورشید عالم پناہ
سواری سے گھر میں وہ اتر اضم
لے آیا جہاں اُسکی تھی عیش گاہ
کہ ظاہر میں تھی یہ بھی درکار دھوم
پر ریزاد کا بیاہ چو تھی کے ساتھ
گیا اُس کے والد کنے بے نظیر
مرا بھائی ہے ایک فیروز شاہ
کہ تو اُسکو فرزند می میں پنی لا
کیا حال پر اپنے پابند اُسے
دیا اُسکو نجم النسا سے بیاہ
اُسی شان سے اور اُسی اوج سے

نچھو
نچھو

یہاں موت ہے اہل عرفان کو
وہ جو در و مندی کے ہیں آشنا
وہ دو لہاکا دُلہن کو گودی اٹھا
چلے لے کے چند ٹول جس دم کہا
کھڑے تھے جو واں چشم کو ترکیے
اودھر اور اودھر اپنے سرے کو چیر
سوار اپنے گھوڑے پہ ہو کر شباب
دکھاتا ہوا حشمت و عظیم شان
وہ پیچھے تو چند دل میں شکناہ
پھر گھر کو اپنے تہم با قدم
غرض اس طرح جب وہ دُلہن کو بیاہ
ہوئی وہ جو ہوتی ہے رسم و رسوم
اٹھایا اسی دھوم میں لگتے ہاتھ
وہ نجم النسا تھی جو دخت و زیر
کہا باپ کو اُسکے اے خیر خواہ
سو میں تجھ سے رکھتا ہوں اک التجا
غرض ہر طرح کر رضامند اُسے
پر ریزاد تھا وہ جو فیروز شاہ
اُسی دھوم سے اور اُسی فوج سے

سکند وہ دُلہن کو گودی میں لا

دنگ گھر میں آرا

لے چند دل - ایک سواری جسے کہا وغیرہ اٹھاتے ہیں یکچال ۱۲ سالہ یعنی سلسلہ پھیر ۱۲۱۔

<p>ہوئی تھی جو کچھ مہیاہ میں اُسکے دھوم برابر رہی چل دن رات میں جو کچھ قول تھا سو بنا ہا غرض بر آئے دنوں کے مطالب تمام بسیں ایک جا چار آبادیاں وہ آشفہ ببل چمن کو پھرے چلے شہر کو اپنے وہ حال حال فلک پر سے ہو مثل خورشید و ماہ ✓ گئے شاد و خرم پرستان میں کہ گو تم ادھر اور ہم ایدھر گئے کہ ہم تم سے ملتے رہیں گے ہمیشہ ✓ یہ ایدھر لیے اپنا لشکر چلے ✓</p>	<p>دہی سب بھل دہی سب رسوم دقیقہ نہ چھوڑا کسی بات میں اسی طرح اُس کو بیاہا غرض خدا راست لایا اُنھوں کے جو کام ہوئیں متصل یہ جو دو شادیاں پھرے دن تو اپنے وطن کو پھرے خوشی سے لیے حرمت جان مال وہ نجم النسا اور فیروز شاہ رضا اُن سے لیکر اُسی آن میں یہ اقرار چلتے ہوئے کر گئے تم اس غم سے مت ہو جو سینہ ریش تسلی وہ دے کر ادھر کو چلے</p>
---	---

داستان مینظیر کی بد مزہر کو اپنے وطن لیجانبے اور مان باپ سے ملاقات کرنے میں

<p>۱۶۰ کہ ہوتی ہے جس یہ کہانی تمام کیا پاس جا خیمہ اک نہر کے اور آنکھوں سے دیکھا وہ بد رکمال</p>	<p>پلا سا قیام آخری ایک جا م وہ نزدیک پہونچے چو اس شہر کے کیا جبکہ خلقت نے تفتیش حال</p>
--	--

بیٹا شہ میں یک یک پھر یہ غل
خبر یہ ہوئی جبکہ ماں باپ کو
زبیں دل تو تھا یا ش ہی سے بھرا
لگے رونے آپس میں زار و زار
ملا دیں گے ہم سے ہمارا جیب
یہ ہو گا کوئی دشمن ملک و مال
کوئی اس کا دارش تو آخر نہیں
کہا سب نے صاحب چلو تو سہی
گھر رونا جب کہ بیٹے کا ناٹوں
وہ آتا تھا بیسے کہ بیٹا ادھر
جو ہیں اپنے کعبہ کو دیکھا رواں
گرا پاؤں پر کہہ کے یہ باپ کے
سنی یہ صدا جو ہیں اُس ماہ کی
اٹھا سر قدم پر سے چھاتی لگا
یہ رویا یہ رویا کہ غش کر چلا
ملے پھر تو آپس میں وہ خوب سے
وہ گل گل شکستہ ہو اگل کی طرح
یو سے شاہ و خرم صغیر و کبیر
نے بیش سے سب کو مستی ہوئی
بڑی دھوم سے اور بڑی آن سے

کہ غائب ہوا تھا سو آیا وہ گل
کیا گم آنھوں نے وہیں آپ کو
یہ سن ما تھا پاؤں گئے پھر پھرا
کہا ہاے ہم کو نہیں اعتبار
یہ دشمن نہیں اپنے ایسے نصیب
سو میں آپ ہی ہوں گرفتار حال
وہی یکے جاوے یہ جھگڑا کہیں
یہ بیٹا تھا را وہی ہے وہی
چلا پھر تو روتا ہوا نٹے پاؤں
پڑی باپ پر جو یکا یک نظر
چلا سر کے بل بنیظر جہاں
خدا نے دکھائے قدم آپ کے
تو اُس غم رسیدہ نے آگاہ کی
پٹ کے گھڑی دو ملک خوب سا
کے تو کہ آنسو کا لشکر چلا
کہ یوسف ملے جیسے یعقوب سے
یہ گل کی طرح اور وہ لبل کی طرح
چلے کے ندریں امیر و وزیر
نئے سر سے آباد بستی ہوئی
بجاتے ہوئے نوبتیں شان سے

وہ پھولا جو تھا ہجر کے داغ میں
 زانی سوار می اتروا کے ساتھ
 در آمد ہوا گھر میں سرور رواں
 کہ اتنے میں آگے نظر جو پڑی
 بہی چشم سے آنسوؤں کی قطار
 وہ ماں خوب بیٹے کے لگ کر گئے
 بہو اور بیٹے کو چھاتی لگا
 ہوئی جان اور جی سے اُن پر نثار
 جگر پر جو تھے درد اور غم کے داغ
 سب آپس میں رہنے لگے مل ملا
 وہ آنکھیں جو اندھی تھیں روشن ہوئیں
 زبیں باپ ماں کو تھی ہر سہ کی چاہ
 لکھوں گھر میں اُس بیاہ کی دھو دھام
 بنا اُن کی تقدیر کا جو بناؤ
 وہ جیسی کہ اس باغ میں تھی خزاں
 محل میں عجائب ہوئے چھ
 ہوا شہر پر فضل پر در در نگار
 وہی لوگ اور وہی چرچے تمام
 وہی ٹیلیں اور وہی بوستان

ہوے جا کے داخل اُسی باغ میں
 پکڑ اس گل تو شگفتہ کا ہاتھ
 لیے ساتھ اپنے وہ غنچہ وہاں
 تو دیکھا کہ ماں راہ میں ہی کھڑی
 گراماں کے پاتوں پر بے اختیار
 یہ روئی کہ آنسو کے نالے چلے
 وہ دونوں کے دو ہاتھ باہم ملا
 پیاپانی اُن دونوں پر وار وار
 سجھے وصل سے ہجر کے وہ چراغ
 پھر آئے چین میں وہ گل کھلکھلا
 زمینیں جو تھیں خشک گلشن ہوئیں
 دوبارہ انھوں نے کیا اُس کا بیاہ
 تو پھر یہ کہانی نہ ہوئے تمام
 نکالے انھوں نے یہ بے لکچاؤ
 بے آگے پھر اُسیں سب گلرغاں
 وہ مر جھانے گل پھر ہوئے لہلہ
 وہی شاہزادہ وہی شہریار
 وہی تاز و انداز کے اپنے کام
 شگفتہ گل و غنچہ دوستان

وہ دونوں کی دو ہاتھ سے ملا

سے جائز اراں کی سی

ہمارے تمھارے پھر میں فیسے دن
 بحق محمد علیہ السلام
 رہیں شہر میں اپنے آباد ہم
 کہ ہے آصف الدولہ جکا خطاب
 رہے روشن اسکا چراغ مراد
 رہوں شاد میں بھی غلام حسن
 کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا
 تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حن
 تب ایسے ہوئے ہیں سخن بنظیر
 مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی
 نہیں مثنوی ہے یہ سحر البیان
 کہ ہے یادگار جہاں یہ کلام
 تب اس طرح رنگیں مضمون کیا
 صلہ اسکا کم ہے جو کچھ دیجیے
 حسن آفریں مرجا مرجا
 نہ ایسی ہوئی ہے نہ ہوگی کبھی
 کہ ہیں شاہراہ سخن کے دلیل
 دیا اس کی تاریخ کو انتظام
 ہر اک شعر ان کا ہے جوں آرسی
 یہ تاریخ کی فارسی میں رستم

انھوں کے جہاں میں پھر ہے جیسے دن
 ملیں سب کے پچھڑے اتنی تمام
 ہوئے جیسے وہ شاد ہوں شاد ہم
 رہے شاد نواب عالیجناب
 خوشی اسکی ہے سر و باغ مراد
 بحق حسین و امام حسن
 فوراً مصفوداؤ کی ہے یہ جا
 زبیں عمر کی اس کہانی میں صرف
 جوانی میں جب ہو گیا ہوں میں پیر
 نہیں مثنوی ہے یہ اک پھل چھڑی
 سخی طرز ہے اور نئی ہے زباں
 رہیگا جہاں میں مرا اس سے نام
 ہر اک بات پر دل کو میں خوں کیا
 اگر واقعی غور ملک کیجیے
 غرض جس نے اسکو سنا یہ کہا
 جو منصف نہیں گئے کہیں گے کبھی
 مرے ایک مشفق ہیں مرزا قتیل
 مثنوی جب یہ مجھ سے تمام
 زبیں شعر کہتے ہیں وہ فارسی
 انھوں نے شتابی اٹھا کر قلم

۴۱ قطعہ تاریخ طبع مراد مرزا قلیل

کہ گفتش حسن شاعر دہلوی	بہ تفتیش تاریخ این ثنوی
کہ آرم بکف گو ہر مدعا	ز دم غوطہ در بحر منکر رسا
بریں ثنوی باد ہر دل فدا	بگو شمع ز بافت رسید این ندا

۱۱۹۹ء

۴۲ قطعہ تاریخ طبع مراد مصحفی

انہوں نے بھی کی فکر از راہ غور	میاں مصحفی کو جو بھایا یہ طور
یہ بتخانہ چین ہے بے بدل	کسی اسکی تاریخ یوں بر محل

۱۱۹۹ء

۴۳ تاریخ فخر الدین باہر کی

تو محظوظ ہو منکر تاریخ کی	سنی جب کہ تاہرنے یہ ثنوی
ہے اس ثنوی کی یہ نادر طرح	پر مصرع پڑھا دہیں پاکر طرح

۱۱۹۹ء

تمام شد ثنوی سحر البیان

مثنوی گلزارِ ارم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حمدِ علیمِ سلام و مناجاتِ دِلِ ناکام و قبولیتِ کلام

کھلا ہے تجھ پہ سب رازِ نہانی
تو ہی اس درد کا محرم ہے واللہ
بجائے ہر بُن موگر زباں ہو
کرامت کی مجھے الوانِ نعمت
ولیکن دی مجھے دولتِ زباں کی
نہ آوے جسکی دولت میں کچھ بچ
مثالِ شمع با سوزِ نہانی
مجھے دی جا گلستانِ سخن میں
اسی دریا میں نہت بہتا ہوں میں

خداوند اکہوں میں کیا زبانی
دلوں کے بھید سے ہے تو ہی آگاہ
شنا و حمد تیری کب بیاں ہو
کروں کیا کیا ترا شکر ان نعمت
رکھا محروم گو دولت سے یاں کی
سخن کا وہ دیا تو نے مجھے گنج
زباں کو دی مری روشن بیانی
رکھا سر سبز جوٹِ طوطیِ چین میں
کر مافقتِ نبی کہتا رہوں میں

۱۵ کچھ دیکھی کی بجائے مستقل نقابِ مترک ہے ۱۲ کچھ نہ آئے یعنی کمی نہ آئے ۱۱
۱۳ جون۔ اندیشہ۔ طبع ۱۲ کچھ نہت۔ ہمیشہ ۱۲ اسی۔

نعت یہاں اسلین محبوب العالمین

محمد وہ کہ ہے فخر و عالم کہے نعت اُسکی کوئی گستاخاں سے وہی مقصود ہے دونوں جہاں کا	جہاننگ اُسکی ہو تعریف ہے کم کہ یہ تو بکشت ہے باہر بیاں سے وہی مبداء ہے یاں کا اور واپ کا
---	--

منقبت کرار غیر از افتی الاعلیٰ لاسیما لا ذوالفقار

علی اُس کا دمی شیر دل اور محمد بن نہیں کوئی اُس کا ثانی بنی کی آل کا جو ہو رہے ہے پلا ساقی مجھے پیالہ شتابی	اُکھاڑا جس نے اک حلقہ میں خیر یہی اک بات ہے باقی کہانی خدا بندہ اُسے اپنا کہے ہے کہ اُس گردش نے کی خانہ خرابی
--	--

بیان حال دل زار و آوارہ شدن از دیار بہ یار

ہوا آوارہ ہندستان جب سے لگا تھا ایک بت سے واں مراد دل مری آنکھوں میں دھوڑت کھڑی ہے اگر چہ واں سے میں آنے کو آیا	قضا پورہ میں لائی مجھ کو تب سے ہوئی اُسکی جدائی سخت مشکل پیالی میں وہ جیتی سی جڑی ہے دے اُسکی جدائی نے ستایا
--	---

۱۔ یعنی بعد ترک وطن جب ہندوستان میں جا بجا مارا مارا پھرا تو تقدیر پورہ میں لائی ۱۲۔
۲۔ آنکھوں کو پیالی سے اور محبوب کے تصور کو چُتی سے تشبیہ دی ہے۔ چُتی چھوٹا سا سرخ رنگ
لاڑی۔ ریزہ یا قوت کو بھی کہا جاتا ہے ۱۲۔ اسی

چلا گاڑی میں یوں آیا میں ناچار	تقص میں جس طرح صید گرفتار
غرض کرنے تو کی قطع منازل	وے ہر ہر قدم رہتا گیا دل
جب اسکی بات آجاتی ہے کچھ یاد	جس کی طرح میں کرتا ہوں فریاد
بہانہ رکھ جڑائی کا وطن کسی	میں رو رو وندیاں کرتا تھا بن کی
بگوئے کی طرح گہ مضطرب حال	گئے نقش قدم کی طرح پامال
بہر صورت غرض اُنتان و خیزاں	چلا آتا تھا میں حیراں پریشاں
نشتِ تھا مجھے اُس گلبدن کا	کہ پھر منہ کیونکہ دیکھوں گا چین کا
کسی سے کہ نہ سکتا تھا میں حوال	کہ تھی شرم مچائے عشق و خیال
مثال شمع جی دیتا تھا کھپ کھپ	گرے پڑتے تھے آنسو میرے ٹپ ٹپ
ہر اک میدان تھا اس شکستے گل	کئی برسات میں وہ اپنی منزل
کسی رہ میں نظر پڑتا تھا جب باغ	میں اپنے دل کے لگتا دیکھنے داغ
رہا میں ڈیگت میں آکر کئی ماہ	چلا وہاں سے رضائے حق کے ہلو

روانہ شدن ہمراہ چھڑی مار و قدم برداشتن از ملک پیدار

مکن پور کو چھڑی چلتی تھی داں سے	اُٹھے ہم ساتھ اُسکے اس مکاں سے
پیشق میر سیف الشرجہ ہیں	اور ان کے بھائی نور الشرجہ ہیں

۱۷۱۲ - بروزن کثیر پریشانی - پراگندگی ۱۲۱۲ - دنیال بضم وال پیچھے ۱۲۱۲ - گل سے یہاں مراد نگار - بھیگی ہوئی مٹی کیچڑ ۱۲۱۲ - ڈیگ نام مقام ۱۲۱۲ - دہ جھنڈی جو بکا کہ کسی بزرگ کے نام پر بنائی اور پھر اُس کے مزار پر چڑھائی جاتی ہے میر انجی اور مار کی چھڑیاں مشہور ہیں ۱۷۱۲ - عید الباری آسی -

یہ دونوں اُس سفر کے آشنا ہیں انہوں میں اور ہم میں ایک مدت مدار اُس تافلہ کا تھا چھڑی پر زبس بیوٹ کا اکثر تھا عالم	اگرچہ ان دنوں مجھ سے جدا ہیں ہم گزری ہے اک عالم کی صحبت چلے ہم وہاں سے چھڑیوں سا تھل کر عجائب ہوشاں تھیں انہیں باہم
--	--

نقریلوہ ہائے معشوقان مردمان چھڑی و تحریر

عشوائے محبوبان شک و پری

کوئی پردے سے تھی ہر ادھکاتی کوئی چلتی اتر اٹھیلیوں سے بہاں ملتا کہیں پانی کا منبع کنویں پر یوں نظر آتا ہر اک ماہ کوئی لیتا مٹھائی اور کوئی پان کوئی انچل سے اپنا منہ چھپاتی کوئی شربت کوئی سا تو بناتا دلے میں غم سے بے برگ نوا تھا	کوئی آواز کچھ گا کر سناتی کوئی بیٹھی ہی تھی لیتی دلوں سے وہاں ہوتا پریزادوں کا جمع کہ جوں یوسف کھڑا ہو برسر چاہ کوئی جاتا کسی کے پاس اسجان کوئی پردا اٹھاتی اور گراتی کسی کو کوئی حقہ ہی پلاتا مجھے تو پان اور رخت سے کیا تھا
--	--

لے مار۔ دار و مار۔ انحصار ۱۲۔ بیوٹ۔ ایک قوم سلمان و ہندیت بہادر و مکر اکثر غیر تعلیم یافتہ
ہے۔ یہ قوم میراث کی رہنے والی ہے جو راجپوتانہ کی ایک ریاست کا نام ہے۔ بیوٹ کی طرح
بیوٹ آبادی کے لیے مشہور ہو گیا ہے۔ یا مکن۔ چہ کہ بیوٹ کی جمع قباہ و بیوٹ اسے کہتے ہیں۔ یعنی
جان ۱۲۔ لے نفع بروز جمع۔ پانی پھینکے کی جگہ سونا پشہ ۱۲۔ لے راتو۔ سنو ۱۲۔ اسی۔

<p>اُسے کرنا دیا جاتی تھی مری جان نہ بھاتا تھا کسی کا منہ لگانا کسی کا منتظر کوئی کھڑا تھا ہر اک چوکی تھی وہاں تخت طلسمات اتر پڑتا ہر اک وہاں بہر آرام</p>	<p>منگاتا تھا میں جس خاطر کبھی پان مجھے حق سے کب تھا سر پیرانا کوئی بیٹھا کہیں کوئی پڑا تھا پر ریزادوں میں تھے باہم اشارات پہونچتے آکے جب منزل سرشام</p>
--	--

در بیان حرکات و سکنات فقیران ملنگانہ شرح و بسط نکات حاجتمندان معقدانہ

<p>وہ چھڑیاں کیا بھلی لگتی تھیں کھڑیاں رسوم اُسکی بجا لاتے ادب سے دیے چھڑیوں کے آگے لاکے دھرتے کھڑے ہلتے ہیں دکھیلیں میں دھمال</p>	<p>دُفالی وہاں کھڑی کرتے تھے چھڑیاں زیادہ حاجتی مائل تھے سب سے دیا باقی سرشب روز کرتے ملنگوں کو جو دیکھا تو عجب حال</p>
---	--

۱۰ چوکی چھڑیاں تخت جس پر چھڑیاں تعزیر وغیرہ رکھے جاتے ہیں ۱۲ ملنگ تخت طلسمات۔ اڈنے والا
 پر یوں وغیرہ کا تخت ۱۲ دُفالی ایک قسم کے فقیر جو دُفلی بجا کر اور گارنگتے ہیں ۱۲ ملنگ کھڑیاں۔
 کھڑی ہوئی۔ اب اس طرح نہیں لکھے ۱۲ حاجتی۔ حاجتمند۔ مرادیں مانگنے والے ۱۲۔
 ۱۰ دیا باقی۔ چراغ بتی ۱۲ ملنگ برون پنگ۔ ایک قسم کے آزاد فقیر جو اپنا سلسلہ مری
 شاہ مدار سے ملاتے ہیں ۱۲ دُفالی کھلتا۔ ملنگ فقیروں کا ایک خاص وضع سے بل بل کرنا چاہنا کہنا
 شور مچانا کہنا۔ دھماکا کڑی چانا۔ انشا کا یہ شعر بھی اسی کا پتہ دیتا ہے ۵۔ اے کن پور کے یہاں تو اور
 ہی کچھ شان ہے + کھیلے ہے دھمال تیرے عاشقوں کی میدانی ۱۲۔ آسی

<p>اکم دم کا لگاتے ہیں کھڑے دم لکڑی کا بھی کوئی لاتا بہ معمول ۴ کھڑا چٹ پٹ کوئی لیتا بلائیں نکل آتا کہیں سے ماہ پارہ ہوئی تھی جمع وہاں جس پرستاں کہ ہم کو دل کے پس جانے کا ڈرتھا بہم پہونچنے نہ تل دھرنے کی جاگہ مثال موم تھا دل صرف نرمی نظر نے پھونک پھونک پنا رکھا پاؤں کہ اُس کے گرد ہر سیلا کھڑی تھی کہ سجدے میں جن آگے اُس جاں تھی ویا تھے پیر کے نیزے نمودار کٹورٹی ماہ کی جس پر جڑی تھی</p>	<p>ربانے ڈھلیاں بکتی ہیں سپہیم پڑھاتا رہوڑی کوئی کوئی پھول کوئی مجھ کوئی کرتا دے عا نہیں اوسر اوسر کوئی کرتا نظر رہ دیے تھے وہ کہ دعوت کے چٹا ہجوم ماہرویاں اس قدر تھا نہ پائی خال نے اُس حسن کی رہ زبں تھی حسن کی کثرت سے گرمی پہونچنے کا اُنھوں تک کون نے نا مثال بے محنتوں ہر چھڑی تھی وہ نیزے تھے کہ یا قدرتیاں تھے وہ چھڑیاں تھیں کہ تھیں مرگانی لدا بلندی میں ہر اک ایسی چھڑی تھی</p>
---	---

۱۵ چاند و سلف یا جے کا ایک لبادم لگاتا ۱۱ اسی ۱۵ رہوڑی - گھٹیا - شکر ۱۲ ۱۵ لیدا
 ملی ہوئی روٹی - جس میں گڑ - شکر گھی وغیرہ ملا یا ہو ۱۲ ۱۵ سلام - گانا ۱۲ ۱۵ دعوت حاضریت
 ہٹک کرنے کے لیے چراغ جلا کر رکھتے ہیں ۱۲ ۱۵ پھونک پھونک کر قدم - یا پاؤں رکھنا -
 نہایت احتیاط کرنا ۱۲ ۱۵ سید محبوں - سید کی ایک قسم جو نیچے ہی نیچے چلتی ہے ۱۲ ۱۵ نیز
 بانس - چھڑا ۱۲ ۱۵ پیر کے نیزے - کسی پر یا جھڑا یا صرف قابل تعظیم شاہ نصیر کے شعر میں بھی
 بکھارہ مستعمل ہوا ہے نہ کہ غذا کا تاؤ کیا ہے ترسے رو برو قلم - ایسا ہی یعنی یہ کیا نیزہ ہے قلم ۱۲
 ۱۵ یعنی اتنی لمبی چھڑیاں تھیں کہ ماہ کی کٹورٹی ان پر جڑی معلوم ہوتی تھی ۱۲ اسی

<p>چراغوں میں وہ تھے مثل شبِ نور کہ گویا زلف تھی بھری شب کی سیاہی میں بھی سُرخِ فلک کی پتنگے شمع پر جیسے ہوں گرتے وے ایک میں ہی اپنے جی سے تھانگ سمجھتا تھا میں نیز اپنے نالے مجھے تھا روز و شب اُن کا تماشا مجھے منظور تھی وہاں کی بشارت خدا ہی کے میں دروازے پڑا تھا</p>	<p>سیہ نیزوں کا ہے از بسکہ دستور سیاہی یوں بھلی لگتی تھی سب کی لگتی وہ زلف چوٹی پر ملک کی پری روگردیوں چھڑیوں کے پھرتے بھی محفوظ اور خوش تھے ہر رنگ وہ نیزے تھے مرے سب کچھ بھلے مری آہیں سیہ چھڑیاں تھیں گویا میں اپنے دل کی کرتا تھا زیارت مرا دون کا وہی اک آسرا تھا</p>
--	--

گرفتار شدن آشنا و افروزدن بلا بر بلا

<p>کہ چھڑوں ایک قصہ اُلفت آمیز کہ مدد میں اپنے جو بن کے بھری تھی ہوا دل ایک کا اس سے گرفتار مجھے مرنا پڑا اُس کے اَلَم میں قضا نے ایک جا رکھے دورِ بخور ہوا دل کا مرے ہمدر و پیدا</p>	<p>پلا ساتی مجھے اک جامِ بریز قضا را اُن میں اک رشکِ پری تھی مری اُن آشناؤں میں سے یکبار میں اپنے ایک تو مرتا تھا غم میں ہوا اُس کو بھی رنجِ عشقِ منظور تعلق نے کیا اُس کو بھی شیدا</p>
---	---

سہ شبِ نور چاندنی رات۔ نیزے چونکہ سیاہ تھے لہذا رات سے تشبیہ دی اور چونکہ
وہ چراغوں میں تھے اس لیے چاندنی رات بتایا گیا ۱۲۔ مدد۔ نشہ یعنی اپنی جوانی

کا اس کو بخور تھا ۱۳

<p>مثال شمع روتے سر کو دھنتے غرض اس راہ میں گرم سفر تھے ہوا اُس آشنا کو اور بھی غم قضا نے یہاں سے اس کو پھڑپھڑایا اسی کی دلف کی کرتے رہے بات کسی کا دن نہ کٹیو اس طرح سے جس کی طرح اس غم سے دل نگار یہ کشتی یہاں سے کھاو گئی تباہی یوں ہی رہ جائے گا دل بنا جی دار اُسی گاڑی کے پردے کو اٹھا کر پرائے غم میں کہہ اپنے الم کی ولے چلتا نہ تھا کچھ اُس کا مقدور وہ دل ہی دل میں داغ اُس کا اٹھاو کہ ہے نزدیک اب صبح قیامت</p>	<p>ہم آپس میں غم اپنا کہتے سنتے اگر تھے بے خبر یا باخبر تھے جب آئے منزل مقصود پر ہم کہ اب روزیہ درپیش آیا مکن پور میں رہے ہم رات کی ات وہ کاٹی رات رو رو جس طرح سے بھی سوتے تھے اور ہم دونوں بیک یہ دھڑکا تھا کہ اب ہو دیں گے رہی سحر ہو دیں گے اس گنگا سے ہم پار مرا وہ یار نتو نتو بارہا کر کئی باتیں سنا آتا تھا غم کی رکھا تھا اُسکے بھی کچھ دل نے منظور یہ سچ ہے جو کسی کا دل جلاوے ہیں ترسا تو مے سے سا قیامت</p>
---	---

طلوع صبح قیامت دور افتاد ن ازال سر قیامت

وغرق شدن دریاے ملائمت بہ شدن باعروسل ممت

ہوا صبح قیامت کا وہ تڑکا	مثال غنچہ جس دم کا تھا دھڑکا
--------------------------	------------------------------

سہ جی دارنا۔ جان قربان کرنا ہی اسی۔

<p>پڑی بن وصل آپس میں جدائی جدا ہونے لگے ہم کارواں سے فغاں تھی یہاں دل محروں کے پیدا ہوا اُس دم گریبان سحر چاک مثال عمر رفتہ دے رہے وال لکھا جاتا نہیں احوال سارا سرسک اپنے سے اسکا داغ دھو سنبھالے مجھ کو اس رہ سے گزرتا عجب عالم میں کاٹی راہ ہم نے وے اُس وقت کی لذت بھری ہے نہیں گوز خم پر اُس کا نشان ہے مری آنکھوں سے گرتا ہے موت رے جوں ڈنک پورب کی ہوتا ہوئی تازہ کہانی اس اَلَم کی کہ دنیا کا نہیں انجام پورا</p>	<p>فلک نے کیا قیامت یہ اٹھائی چلا جب قافلہ پورب کا وہاں سے صد اودھر جس کی تھی ہویدا چلے جس وقت ہم محروں وغناک بچھڑ کر ہم تبوں سے اُڑے یاں ہوا احوال جو اُس دن ہمارا کبھی میں اُسکو سمجھاتا تھا رورو کبھی غمخوار گی وہ میری کرتا فغاں کی اُس نے تو کی آہ ہم نے یہ افسانہ اگرچہ سرسری ہے اگرچہ اب تو وہ صحبت کہاں ہے کرے ہے ذکر دلی کا کوئی جب تراوش دل کرے ہے جا بجا سے مجھے غم تھا جدائی کا صنم کی غرض قصہ رہا یہ بھی ادھورا</p>
--	--

رسیدن به سخن و واضح شدن معنی

الدُّنْيَا سَجْنٌ لِلْمُؤْمِنِينَ وَجَنَّةٌ لِلْكَافِرِينَ

لہ دنیا مومنوں کے لیے قید خانہ ہے اور کافروں کے لیے جنت ہے ۱۱۲

لے آسانی ز مرد و نام مینا
جب آیا میں دیار لکھنؤ میں
کیا تھا غم نے از بس دل پہ ڈیرا
بہت ہیں گرچہ اہل اللہ اس جا
ز بس یہ ملک ہے بیہڑ پہ بتا
کسی کا آسمان پر گھر ہوا میں
نہیں یہ لکھنؤ یہ ہے زمانا
عجب ہے یہاں کی رسم و راہ گندی
ز بس گنجان ہے یہ شہر باہم
ہر اک کو چاہاں تک تنگ تر ہے
سیہ گل سے گلی یوں تر رہے ہے
فراغت سے یہاں کس مکان ہر
کنواں بھی یوں ہے پھر اس تنگ گھر میں
کنواں کہنا اسے ہر عقل سے دور
کہوں میں کیا قدامت اس مکان کی
مثال فرد جو اینٹ اسکی ہر لال
ہزاروں راہ اسیں پیچ در پیچ

بٹھا حلقے پہ ساغر کے نیکن
نہ دیکھا کچھ بہار لکھنؤ میں
لگا اس جا پہ ہرگز جی نہ میرا
وے جاگہ جو بد ہو تو کریں کیا
کہیں اونچا کہیں نیچا ہے رستا
کسی کا جھوڑا تخت الشری میں
زمانے پر عبث رکھا بہانا
گئے پستی ہے اور گاہے بندی
سا سکتا نہیں یہاں غیر کا دم
ہوا کا بھی بمشکل وہاں گذر ہے
بغل جس طرح حبشی کی ہے ہے
ہر اک گھر جس کا سادل یہاں ہو
پڑے تیلی کا تل جیسے نظر میں
کہ ہو اس گھر کی چھاتی کا وہ ناسور
پڑی بنیاد بعد اُس کے جہان کی
لکھا ہے اُسیں دقیانوس کا حال
ولیکن مثل زلف زرشاد رو پیچ

۱۷۷۰ء میں ساغر شہزاد دے ۱۲۷۰ء میں ہر طرہ و وزن کیچھ لکھی اور انہی ناموں اور زمین ۱۲۷۰ء میں اسکی مٹھوس کو
نگدل کہا جاتا ہے کیونکہ وہ پھوٹے دل والا ہوتا ہے ۱۲۷۰ء فرد سے مراد یہاں فرد کا غز ۱۷۷۰ء
۱۷۷۰ء دقیانوس زمانہ قدیم کے ایک بادشاہ کا نام ۱۲۷۰ء

احوال یاراں و خرابی یاراں

غرض برسات میں جو کچھ ہے یہاں حال
چڑھے ہے گوشتی جب گرد آکر
نہ لکڑی ہاتھ آتی ہے نہ ایندھن
زبس پانی بھرا رہتا ہے اس جا
کہوں پھر اسکے آگے کیا سرانجام
میسر یہاں سواری کیسی ہی آئے
کریں ہیں آستان بوس آگے نالے
قدم گھرتے رکھے وہ شخص ہاہر
رکھے ہے پار ہو سکتا تب امکاں
جگہ چاہے جو کوئی یہاں بنائے
سوائے قند یہاں دیکھانہ کچھ اور
کوئی یہاں سیر کے قابل نہیں جا

لکھا جاتا نہیں وہ مجھ سے احوال
جہاں سب سے پھرتے ہیں سب گھر
جدھر دیکھو ہے پانی اور نہیں آن
نہیں یہ شہر ہے گویا یہ مٹکا
کہ بن ڈونگی نہیں چلتا یہاں کام
معطل ہے سبز کشتی کی گھر ٹائے
قدم گھرتے کوئی کیونکر نکالے
جسے دمڑی کا گھوڑا ہو میسر
چڑھے جب آدمی پر آدمی یاں
تو اک طوفان کا گنبد اٹھادے
سو ہے روپوش وہ بھی دیکھ یہ طور
کہ جا کر دیکھیے وہاں ٹک تماشاً

فی المرح مکان خواجہ باسط فی بحال نشان خواجہ باسط

مگر یہاں ہے تو جائے خواجہ باسط | کہ تھی موزوں یرائے خواجہ باسط
لے گھر ٹائے۔ ایک چیز جس سے دریا کو عبور کرتے ہیں یہ چیز دو اڑے گھڑے ایک بانس کے ڈنڈے
میں باندھ کر بناتے ہیں۔ یعنی گھڑے کی ناؤ۔ اس کو اکثر دہلی وغیرہ میں گھر ٹائی کہا جاتا ہے ۱۲۔
۱۳۔ دمڑی کا گھوڑا ایک کھلونا ۱۴۔ قند ایک قسم کی دانہ دار مٹھائی ۱۵۔ اسی

کہ دہلی جس کی دہلی کا نشان ہے سرود مجلس و حال عزیزاں ورق ہی یہ مرقع کا وہاں کے	رکھے حق اس کو یہ وہ آستان ہے خوشایہ ذوق و شوق عند لیباں منوئوں میں یہ ہے ہندوستان کے
--	--

درادعیہ واثنیہ نواب مستطاب علی لقاب زیر الممالک
عالی تبار کیوان وقار دام اقبالہ وزاد اجمالہ

کہ جس نے کی یہاں طرح اقامت کہ نظارے سے ہو جسکے جہاں شاد بنائی لکھنؤ کی ایک صورت کہ بنگلہ لکھنؤ ہے جس سے گلزار	رہے نہت آصف الدولہ سلالت عمارت کی یہاں وہ اُس نے بنیاد مشادی اس نے سب یاگی کردورت رہے قائم سدا یارب یہ سردار
--	---

دل بہشتن ایر آزاد از قید سرید و رفتن گلگشت فیض آباد

اسی کشتی سے مجھ کو پار کر دے مری چھاتی پہ ہر ٹیلا ہوا سنگ مرے اک وزجی میں آئی یوں لہر چلا میں وہاں سے اپنا دل ٹھاکر کھلا جنت کا دروازہ نظر میں مثال گل ہر اک دل شاد پایا	چل لے ساتی تنہا بی جام بھر دے ز بس تنگی سے یاں کی میں ہوا تنگ یہ دیکھی میں نے جب کیفیت شہر کہ کیجیے سیر فیض آباد جا کر جو نہیں داخل ہوا میں اُس نگر میں عجب معمورۂ آباد پایا
---	---

لہ دہلی - دہلیز - چکھٹ ۱۶۲۵ بنگلہ لکھنؤ ۱۲۳۵ - ۱۲۳۵ - ۱۲۳۵

وہ لگو رہی وہ موتی باغ دیکھا عمارت شہر کی دیکھی وہ عالی کھلا بازار اور رستے کشادہ دورستہ اہل تحرفہ اور دکاندار دُستی راستی میں اتنا رستا شمار اس کا کروں گر اسکی حد تک جو کوئی شام کو وہاں چوک جائے	آرم جس کے حسد سے داغ دیکھا کہ جس نے عرش کی خوبی اٹھالی بیاض جدولی ہو جیسے سادہ لڑی موتی کی ہو جیسے نمودار کسی نے آج تک دیکھا ہے بستا سخن جاوید اہل سے بے بد تک شب راحت کا دن کو خط اٹھاے
---	--

در تعریف ترپولہ ہو پذیر رشک کشمیر حنبت نظیر

سر بازار وہاں ترپولیا ہے بنایا ہے کسی استاد کا وہ وہ جی ہے شہر کا ترپولیا یوں نہیں ترپولیا ایسا جہاں پر نہ اب بھانے ہو پہلے نہ ہوگا اشارات سے کہ ہر اسکی محراب کھلے رکھے ہیں اُسہیں اسلئے در وہ ٹھنڈی باد اور سایہ ہوا دار	کہ جوں دروازہ جنت کھلا ہے نمونہ ہے جہاں آباد کا وہ کہ جیسے تین روہیں جسم کی ہوں گئی جس کی بلندی آسمان پر سوا اسکے مکاں دھسپ ایسا کہ ہیں تینوں زمانے میرے ابواب چلی آوے ہوا جنت کی فر فر ادھر اُدھر کٹوروں کی وہ بھکاری
---	---

۱۷۱۱ء انگریزی فیض آباد کی جگہ کا نام ۱۷۱۲ء دورستہ مراد و طرفہ ۱۷۱۳ء پیشے درکار بکر - صناعت ۱۷۱۴ء
۱۷۱۵ء ترپولیا - تین بڑے دروں کا پھاٹک جو کسی بازار وغیرہ کے شروع میں بناتے ہیں ۱۷۱۶ء -
۱۷۱۷ء جہاں آباد - شاہجہاں آباد کا مخففت - دہلی ۱۷۱۸ء ماضی حال - مستقبل ۱۷۱۹ء -

کے ہے باولی پی سر د پانی اڑا لے خط کوئی دم اس مکان کا ٹھک اس آب و ہوا سے دل کو کر شاد اٹھ لے ساقی نہ کر خواب شکر خند	یہی ہے زندگانی کی نشانی غنیمت جان تو وقفہ یہاں کا کہ آوے گی یہ جنت میں بہت یاد کہ میں نقشہ کروں یاں کا قلمبند
---	--

در توصیف بازار رنگیں نمونہ بہشت بریں و بیان
دکانین مینو آئین کہ صد ہزاراں مشتری زلیخا وار در
یک پلہ میز ان نشستہ دیوسف طلعتان پیش ہر و کان
چون مصراین تماشا بین بست بستہ از ہر طرف صدائے
سودا فروشاں چوں الحان داودی می آید کہ دل ا
می ربا ید۔ یا نغمہ طوطی و ہزارے است کہ
ہوش می افزاید

ادھر صراف اور ادھر طلا ساز اگلتے ہیں زباں سے جوہری عمل	ادھر کو جوہری ادھر کو بڑا ز سجھن میں بھر و کان کے نعلی نعل
---	---

۱۔ خواب شکر خند۔ میٹھی نیند ۱۲۔ ادھر بکھارے۔ ادھر پھیلے بولتے تھے اب متروک ہے ۱۳۔
۱۴۔ یعنی یہاں کان اور بھر کی چیزیں موقی و سونا پراہیں۔ یا ستارگان زرد و کیم اور جوہری بھر کی انبندی
نعل یا نعل مرطاف ۱۲۔ لعل یا لکڑیا۔ نہایت فصاحت سے باتیں کرنا رنگیں کلاسی ۱۳۔ طلا ساز ستار ۱۴۔

<p>میاں صاحب جو اہر کا کہو کام دھڑے تختوں پہ چوں نرگس کے دستے مثال برق کرتے ہیں جھلا جھل بھڑی ہیں مائیں کے گز نہیں ہار معطر پھول ہیں جی موتیا کے کوئی کہتا ہے میٹھے ہیں کتارے گنڈیری کے کترنے کی صدا ہے گرہ دل کی عزیزوں کے کھلے ہے کے تو چاند اور تارے ہیں یا ہم شب مہ کا سماں پانی میں پاوے بھرے انبار سے میووں کی دوکان پکارے ہے ہر اک اپنی صدا کر کوئی کہتا ہے مرچوں کے چتنے ہیں کرارے بھر بھرے نیو کے رس کے پکارے ہے کوئی مصری کی پٹی</p>	<p>جو اہر کا کھڑے دلال لیں نام روئے اور اشرفی دیکھے برستے کناری اور گوٹے وہاں مسلسل کہیں تر بوڑو و خبر بوڑوں کے انبار صدا کرتا ہے کوئی ہاتھ اٹھا کے کوئی مصری کے گنے کہہ پکارے سہانی وہ جو اور شیریں نوا ہے وہ مصری منہ میں جب اگر کھلے ہو یہ فرنی اور فالودے کا عالم یلا شربت میں جو اسکو بناوے سراسر میٹھے ہیں میوہ فروشاں دھڑے ہیں خوئے انیس سراسر کوئی کہتا ہے کیا تمکین بنے ہیں چنے والا لگا کہنے یہ مہنس کے لئے میٹھا ہے کوئی سو نہ کھٹی</p>
--	--

۱۴ یعنی دلال جو اہر کا نام تیار کر پوچھتے ہیں کہ میاں صاحب تم کو کس چیز کی ضرورت ہے ۱۴ مراکزت
 زردیم نرگس کے دستے اشرفی کے ڈھیر ۱۴ کناری گونا بجلی کی طرح برابر چمک رہے ہیں مسلسل - اور
 جھلا جھل دو کپڑوں کے نام جس میں زری کے تار ہوئے ہیں اور پیکارا ہوتا ہے ۱۴ مصری کے گنے
 غاڑا گروں کی شیریں کا میاں لغز ۱۴ کنارا الٹی مخصوص صابجی الٹی - ایک قسم کا گناٹا غالباً یہاں ہی ملا
 ہے ۱۴ ایک قسم کا ہاشم تکین پانی حبیب ہاشم دو این شامل کر کے بناتے ہیں ۱۴ آسی

<p>پھکارے ہو کہ لے رنگ لال آجا کہ ہندستان والی ہے تری چاٹ کہیں پچلو نہ اور پاچن کہیں ہے دھڑے ہے شیر مال ورنان آبی کہ لے سستی ہیں اسی ڈیڑھ میں دو اسی میں مال حلوائی نے کھو یا یہ کہتا ہے کہ لے دودھ اور بتا کڑا کر بولتی عتلاشیاں ہیں قریم اور لائینگے اللہ اسے اس ستارے گرد ہوں جن کے چراغاں شعاع ہر وہاں گرتی تھی جھپپی کہ گویا چاند اور تارے ہیں برے یہ کہتے ہیں پکارے اور ہانکے کئے تلخی میں اوقات اسکی روتے سدا چاٹنا کریں اپنے لبوں کو</p>	<p>مفرح کی کوئی ڈبیاں ہی دکھلا خطائی بیچتے ہیں کہہ کے گھگھاٹ کہیں خشکا ہے اور سالن کہیں ہے کہا پاک سمت بھونے ہے کیابی لیے پھرتے ہیں شہدے ریڑوں کو ملائی دودھ کو دیکھو تو گویا کوئی لے کھیر کے بیٹھا ہے کا سے صدائیں ریڑی والوں کی وہاں ہیں کوئی کہتا ہو کیا جگل کی ہے گھاس بلندی میں وہ حلوائی کی دوکان وہ دوکان دیکھ سٹری اور لپی دھڑی ہیں گولیاں اور بولندر سے وہ پیڑے روشن الدولہ کے ہاں کے نہ لے جو کوئی ہم کو زور کے ہوتے مزا پڑ جائے برنی کاجھوں کو</p>
--	---

۱۱۵ مفرح دل و دماغ میں ہلکا سا سرور اور نشہ پیدا کرنے والی دوا ۱۱۵ خطائی سے
 مراد غالباً نان خطائی ۱۱۶ پچلو نہ وہ چورن جس میں پانچ ٹک شامل کیے گئے ہوں ۱۱۷
 ۱۱۸ پاچن یہ بھی اسی قسم کی چیز ہے بچانے والی باضم ۱۱۹ دھ کی مٹھائی کا نام ۱۲
 ۱۲۰ فرید بوٹی ایک گھاس ہے جس سے پانی جم جاتا ہے حضرت بابا فرید شکر گنج بچوں کو مٹھائی
 تقسیم فرمایا کرتے تھے ۱۲۱ اندر سے کی گولیاں ۱۲۲ ہانکے یعنی چلا کر اور ہانک رکھا کر ۱۲۳

جو کھاوے کھٹیاں ہوتے نہ بچور
گلابی ٹوڑے کیونکر نہ انساں
نہ دیکھا ہم نے ایسا جلوہ سوہن
خصوصاً انیس صدی جو ہر وہاں
مٹھائی کی کروں تعریف تا چند
جہاں قہوہ ہے اور پیاری دُہن
وہ دیکھی جنس اُن کی جیسے پُرکار
جو کچھ چاہو تم اسباب جہاں سے
علاقہ ہند اور زربان یکسر
چک اُنکی ہے گویا بھلی کی کوئدھ
وہ موچی وہاں کے دیکھے ماہ پائے
دکان آئینہ سازاں نظر کر
بہر صورت یہ جو کچھ میں سُنایا
زسب ہے باغ کی اک طرف دیوار
غرض ایک ایک کا عالم جدا ہے

کریں میں تلخی صفر اکودہ دور
ہوا ہے صرف جسمیں شیرہ جاں
کہ ہو دیکھے سے جسکے شیریں تن من
ملا ہے اُس میں گویا آب حیاں
قلم کی ہو گئی اب تو زباں بند
بساطی مٹھے ہیں نیچے دُکاں جُن
نظر سے گر گیا خاتم کا بازار
ہم وہ جنس پہونچے اُن دُکاں سے
پڑے بنتے ہیں قیشوں کے جھال
کہ دیکھے سے لگے جسکے چکا چندھ
جنھوں کی جوتیوں تاکتے سارے
رہا جوں پارہ اس میں دل ٹھہر کر
سماں سب اُن کے آئینوں میں پایا
ہزاروں رنگ سے پھولیں گلزار
سجلی کی نہیں منکر کیا ہے

۱۵ کھٹیوں کی شیرینی کے اثر سے ۱۲ ٹوڑ ایک قسم کی بادام اور پستے کی مٹھائی ۱۲ اسی
۱۵ ایک قسم کا جلوہ سہن جو سیاہی مانس اور نرم ہوتا ہے ۱۲ ایک بیج جسے بیون کر اور
بیں کر بانی میں جوش دے کر پتے ہیں۔ جُن بھی قہوے کو کہتے ہیں ۱۲ خاتم کا بازار۔ دہلی
کے زمانہ بازار کا نام تھا ۱۲ علاقہ ہندوستان جو زیوروں کو ریشم یا سوئی تاکوں میں گونہ دھاتا ہے
۱۵ زربان۔ تر و دوزی اور گونے کناری کے کام کرنے والے ۱۲ اسی۔

<p> اُنھوں کے گرد عاشق جا اڑے ہیں اُنھوں کا کرتا ہے کوئی نظار کہیں ہندو بچے بھرتے پھر یہ آہ لگاتا ہے چرس کا ہی کوئی دم جدے پھرتے ہیں لے کر ساتھ اپنے کوئی دم صفحہ سے طوطی کا بھوسہ کہیں ٹھٹھا کہیں ہے دھول تھپتھپ ادھر ہی سانگ وراودھ رنگت ہے کوئی نوٹے کو آگے سے بچا دے لیے میٹھا ہے ساڈے کا کوئی تیل دکھا دے نیک و بد کی صورتوں کو کہیں ناچیں ہیں کشمیری کہیں بھانڈ کہ جوں پر دانے ہو دیں برسر شمع کہیں بلبل کہیں ہے لال نیا </p>	<p> کہیں بن ٹھن کے نوٹے ہی کھٹے ہیں کہیں ہیں رنڈیاں ہی ماہ پارہ پھر یہ کھتر انیاں سنتوں کے ہمراہ کہیں لکڑ کوئی پیتا ہے یا ہم رزائے طوطیاں لے ہاتھ اپنے کوئی سیٹی سے زین پر چرکے ہو ضلع بولے ہو کوئی کوئی پھٹ کر کہیں سکیمیاں کہیں کھنڈ اور جلیبے کھڑا کوئی کہیں پونگی بجا دے رو ابچے کوئی کوئی کرے کھیل کوئی کھولے کتابیں مور توں کو زمیں ہے عیش و عشرت کا دہانہ اند کبوتر کے کہیں شوقین ہیں جمع غرض موجود ہے سب جنس دنیا </p>
--	---

۱۰ سنت۔ سادھو ۱۲۔ لکڑ بھج کاف اول و دوم مشد و مفتوح۔ وہ حقہ جو ساقی وغیرہ بازار
 میں پلاتے پھرتے ہیں ۱۲۔ ضلع۔ ذومنی بات جسے تلک بھی کہتے ہیں ۱۳۔ پھکڑا۔ ذومنی کی
 گفتگو جس کا لکڑ جو ۱۲۔ پھکڑا۔ چاندا جو سر پر راجا ۱۳۔ کہ کرنی۔ ایک قسم کی ہیلی ۱۳
 ۱۴۔ کھنڈ۔ دھوپوں کی ایک قسم کی شاعری ۱۲۔ ساگ کھیل۔ تاشا۔ تلک ساتھ۔ یا سانگ کے
 ساقی ۱۳۔ پونگی۔ سپردوں کا یا جان۔ یا یانس وغیرہ کا ایک قسم کا یا جان ۱۴۔ مقام۔ جگہ ۱۲۔

کہیں بڑے چمک اور سر لٹے ہیں فقط نور و زہر پر کیا برس کے برس کسی کا کوئی وہاں مانع نہیں ہے بہشت آنچا کہ آزار سے نہ باشد	یہ بیضالیہ سر و کھڑے ہیں اسی تفسیر بیضادی کا ہے درس کہیں سے نقل اور قصا کہیں ہے کسے را با کسے کار سے نہ باشد
---	---

تعریف نمودن لال باغ و میوہ ہائے گوناگون توصیف افراط نوا کہ روز افزوں

نظر باز اسے آگے بڑھی جب عجائب لال باغ اک طرف دیکھا لکھوں آب و ہوا کا وہاں گرجاں وہ ترکاری وہ میوے بے نہایت غرض مطبوع وہ جیسا مکاں ہے ہزاروں خانگی اور کبھی آکر شابی دے تجھے ساقی پیلا کہیں دیکھی ہے لالی اس لہک کی	عجربا اور اک آیا نظر تب کہ جنت کو رہا جس کا پر بیکھا عجب کیا ہے قلم لاوے پرو بال وہ ارزانی کہ گویا بے ولایت کہوں کیا لال یہاں میری زباں ہے کریں ہیں سیر لالہ دل لگا کر کہ ہو دوئی نشے میں سیر لا لا کہ جب کا عکس ہو سرخی فلک کی
---	--

۱۵۱۷ء بڑے چمک اور سر لٹے اس کیل کا نام ہے کہ نور و ذکے دل و عوام یا اسی قسم کے شوقین اٹھنے میں
اس طرح لڑاتے ہیں کہ شوق اس را بہ رہتا ہے اور پھر اس کا سر لڑاتے ہیں جو بہار بہت جلدی ہوتی ہے اسی
را عایت سے دوسرے مصرع میں تفسیر بیضادی جو ایک تفسیر کا نام ہے جو بطریق ایام لایا گیا ہے ۱۵۱۷ء عجب با-
عجیب چیز ۱۳۰۰ لال گونگی ۱۲۰۰ فاحشہ عورتیں جو گھر میں بیٹھ کر اور پردہ دار بن کر پیشہ کرتی
ہیں ۱۳۰۰ رنڈیاں بازاری عورتیں ۱۲۰۰ سرخی ۱۲۰۰ آسی-

ہماں تک چشم کی حد تک جاسے	ہزاروں کوس لالہ ہی نظر آئے
پر یزادوں کا اُس جا جمع ہوتا	درخسوں کے وہاں سایے میں ہوتا
وہ نگر و یوں کا اُس لائے میں پھرنا	پتنگوں کی طرح آتش پہ گرنا
عجب گرمی سے کرنا سیر لا لا	کہ تا عاشق کی آتش ہو دو بالا
ہر اک گل سی وہ صورت کبھی مہول	کہ میرے ہاتھ پاؤں سب گئے بھول

در بیان آستین معشوقان گل اندام تیرا شوق خراش تازہ
 و زیب زینت یور لباس محبوبان و کام بہ داد لریا لکے

زور و یور میں یوں آراستہ سب	کٹے شمشاد چکی دیکھ کر چھپتے
کوئی پہنے کنارچی اور مسلسل	لباس شبنم و کنجواب و مغل
بہ کلفت سے کوئی پوشاک پہنے	جڑاؤ سر سے پاتک جسکے گنے
وہ رنگارنگ ہر لاشی کی پیشواز	کناری کے وہ بند گنے پس انداز
وہ سرخی شوخ اور سبزی وہ گہری	وہ درد اسن رو پھری و دہسہری
دوپٹ وہ لگی جن کے مسلسل	پڑے کا ندھوں پہ دونوں طرف اگل

۱۵ ایک درخت کو قد سے تشبیہ دیتے ہیں ۱۲ خود بصورتی حسین ۱۳ کناری پتلا گولہ
 ۱۴ و پٹوں کے کنارے پر لگاتے ہیں ۱۵ کہ پہلے کسی کپڑے کو بھی کہتے ہوں ۱۶ شبنم ایک لکے
 ۱۷ خیمہ ۱۸ لاشی ایک زینتی کپڑا جو نہایت باریک ہوتا ہے ۱۹ وہ گولہ جس میں موٹی کپڑے
 ۲۰ لگاتے ہیں اور کرتے وغیرہ کے دامن کے کنارے لگائی جاتی ہے ۲۱ مسلسل بقیش وغیرہ کی گولہ
 جو کنارے اور دور پر لگائی ہیں ۲۲ آستین۔

وہ الماسی کڑے پاؤں میں موٹے
 چمک دامن کی دکھلاویں چلے ہے
 کوئی کرتی بہن جالی کی سادہ
 کیا اس دام میں تکے کو یوں صید
 وہ پٹہ اوڑھنا اُس کا اُٹ کر
 وہ کنگھی اور وہ چوٹی بوریاباں
 حفظ کانوں میں اک سونے کا بالا
 بڑا جوڑی اک چودانیوں کی
 وہ ہندی اور کڑے وہ گوکھر دے
 وہ مخموتوں کے لچھے اُنہیں پرکار
 فقط پاؤں میں سونے کے ٹپے ہیں
 دھڑی مٹی کی اور پاؤں کی ٹیری
 پھرے ہی ہر طرف یوں مست مخمور
 کوئی اُن سے بھی چیرتی در سرتی
 تے سجات کے موتی لگا کر

۴ کہ جن کے ہاتھ دل عاشق کا ٹوٹے
 کہ بجلی اپنے ہاتھوں کو ملے ہے
 گریباں گرد چھاتی تک کشادہ
 سحر کے جوں گریباں میں ہو خوشید
 کھٹل پڑنا پھر اس کا دہاں بٹ کر
 وہ انگیا اور تاشی کی وہ سجات
 کہ جیسے ماہ کے ہو گرد بالاب
 اور اک جوڑی چمکتی نوگوں کی
 ازاریں گلبدن کی وہ بھوتے کے
 چمکتے جنکی شرمندہ ہو گلدار
 تکلف کچھ نہیں اُنہیں چھڑے ہیں
 کہ جوں ابرسیہ میں لال ٹیری
 نشے سے جبکہ شیشہ دل کا ہو چور
 بہن لابی کی کلیوں وار کرتی
 کہ گوٹے کی کلیوں پر بن کر

۱۷ کھل پڑنا پھیل جانا ۱۲ بوریاباں وہ جوڑی جسے بھوری کہتے ہیں ۱۳ ایک ریشمی کپڑا
 ۱۴ چودانی کان کا ایک زیور جس میں موتی کے چار دانے لگے ہوتے ہیں ۱۵ نوٹنگے۔ بازو پر
 ۱۶ ہاتھ کا ایک زیور ۱۷ یعنی سرخ ۱۸ یعنی مخموتوں کے لچھے مقیش وغیرہ کے پھندے
 ۱۹ چیری۔ چارتر ۲۰ سرتی۔ چالاک۔ ہوشیار ۲۱ کہ۔ کٹاؤ کا کام ۲۲
 مولانا عبدالمباری آہستہ۔

<p>کرے ہر خون، دل عاشق کا لیکر وہ پھلے جسکے انداز نہیں چھل بل وہ چاند اک اسمیں سونے کا نمودار کہ ہو ملنے سے جسکے دل پہ کھٹکا کھلے کان جو اہر کے تھے تب کان مغرق کفش کا جلتے چمکنا قیامت دل کے تئیں نکلتے تھے اچھے نزلے طور اس نے اپنے کاڑھے پھرے جوڑے کو اور گاتی کو بانہ کہ جوں موج ہوا گل کی گلو گبر کہ جسکو دیکھ طوطی کے اڑیں ہوش جڑاؤ کام پر جوں سبز مینا ہجوم دودھ غلے کی علامت بندھا بازو میں اور کھینچا ہوا تنگ فقط اک چاند اور تارے کی انگیا کہ بن دیکھے جہاں ہو جسکے تار یک</p>	<p>بہشت انگیا میں سرخ و سبز دے کر وہ ٹھیکر جسکے دیکھے دل کو ہے کل برابر کے وہ پچھتے صاف و ہموار عجب عنوان سے پھرتی تھی لٹکا جو اہر کی ہوئی ایجاد جب کان وہ پا جائے کا ایڑی تک ڈھلکنا وہ زنجیروں کے پاؤں بیچ پہلے کوئی اپنی پھین میں اس سے کاڑھے بنا رس کا دو پٹہ ڈال کا ندھے گلے میں چلی اک سونے کی زنجیر وہ سبز اکان میں زیب بنا گوش سفار وہ اسکی اور منہ کا پسینا وہ مستی اس کی بن پونجھی قیامت فقط تعویذ در یانی کا خوش رنگ نہ شبنم اور نہ اک تارے کی انگیا وہ توڑے ہاتھ میں تار و نیکی باریک</p>
---	---

سہ لفظی اور طائی کام جولہی جٹ پر کیا گیا جو بیا صرف جٹ ۱۲۱۱ء میل، گلے میں پہننے کا ایک زیور ۱۲۱۱ء پٹھے وہ جو پہلے کے چاند کے ادھر ادھر یوں ۱۲۱۱ء در یانی ایک کپڑا ریشمی فارسی میں دارائی ۱۲۱۱ء شبنم اور اک تار اور دو باریک کپڑوں کے نام۔ اک تارے پر چھوٹے چھوٹے خانے ہوتے ہیں ۱۲-۱۳-اسی۔

<p>کہ نکلے چاند جوں بدلی سے چر کر پھرے ہی ہر طرف سادی خوش آدی بسا جوڑا اگر تیشِ فتنہ انگیز سیلتے سے لگاتار تھے پہ صندوق کہوں کیا اس کی میں کا فردا کی صبا میں بختِ نکبت کی پڑی ہے اندھیرے گھر کا تھا گویا اُجالا کرب ہو درد سر کھونے میں پھرتی لیٹے بانہ پر پھرتی ہے بیباک کہ پہنی ہیکلی دریائی میں زنجیر بھرا بٹوس میں کتھا اور سپاری</p>	<p>نمایاں رو وہ یوں زلفوں میں گھر کر چھڑی لے ہاتھ میں رنگیں سادی کوئی اس سے زیادہ شوخی آمیز اور اس پر اس گئے کا عطر مل مل پہن ہاتھوں میں سمن کسرا کی سر رہ بام پر آکر کھڑی ہے کسی کا سانولا منہ اور وہ بالا پہن کر صندوق ہی کوئی کرتی کسی کی آستین کہنی تلک چاک کسی نے کی ادا کی اور تدبیر کسی کے ساتھ پانوں کی پٹاری</p>
--	---

طریق گلگشتِ لال باغ و گلزارِ دل دن نظر آگیاں دانق
بنوع کہ شاہدِ چمنِ چوں عنبرِ ناب و گلزارِ ان گلشن
چوں گل خنداں

غرض جو ماہر و یا گلبدن ہے ہر اک مصروفِ گل گشتِ چمن ہے

۱۵۷۱ خود آدی۔ یہاں طنز یہ غالباً بالزادی کا مترادف بنا کر لایا گیا ہے ۱۵۷۲ ایک خوشبودار لکڑی
عود ۱۵۷۳ ار گئے کا عطر ایک مرکب عطر ۱۵۷۴ سمن۔ سیج ۱۵۷۵ اسی۔

<p>بناتی ہے کھڑی چنپا کی مالا کوئی پھول اپنی انگلیاں دھرے ہو شکستہ دل کرے ہو بلبلوں کو اکڑ کر کوئی دکھلا جاتی ہے آن کھڑی کوئی پٹاخا چھوڑتی ہے کوئی لے ڈھونڈ لکی بیٹھی ہے گاتی دیے بیٹھی ہے کوئی گال پر ہاتھ ملا جاتا ہے ناحق ایک کا دل سنبھلتی ہے کوئی گرتی ہے کوئی کوئی ہو سوچ میں ٹہنی کو پیکڑے کسی کے ہاتھ کو رسی گڑا گڑی ہے پھرے ہو شرم سے کوئی کسی ہاتھ پھرے ہو کوئی جھکاتی گلابی بھلا دل کیوں نہ ان بندنوں پہ ہو بند کرے ہے بے تکلف سیر لا لا کسی کے رنگ پر آتی ہو لالہ فدا ہوتا ہے کوئی اپنے جی سے کوئی پھرنے سے انکے دل پھریں ہیں</p>	<p>جو دیکھا تو کوئی اوڑھے دو شالہ کوئی بائے میں لے کر گل بھرے ہو رکھے ہے کان پر کوئی گلوں کو کوئی پھرتی ہے دامن اپنا گردان کوئی لالے کی پتی توڑتی ہے کوئی ماتھے پر ہے ٹیکے لگاتی کوئی گیند اچھالے ہو کسی ساتھ پھرے ہے تیرتی پر کوئی مائل روش پر دوڑتی پھرتی ہے کوئی کھڑی ہے کوئی منہ کو پھیرا کٹے کسی گل پاس چھوٹی سی نقل ہے خراماں ہو کمر پر رکھ کوئی ہاتھ کوئی ہے مست اور کوئی شرابی کوئی ہو ٹٹھ اپنے چاہے اور کوئی قند لگا کر منہ سے اپنے کوئی پیالا کسی کو دیکھ کوئی نے ہے تالی لڑاتی ہے کوئی آنکھیں کسی سے لگے ساتھ انکے نیت مائل پھریں ہیں</p>
--	---

۱۵ لکھنؤ میں تلی کہتے ہیں ۱۶ ۱۷ ایک قسم کا حقہ ۱۸ ۱۹ ایک قسم کا چھوٹا حقہ ۲۰۔

کوئی رتھ بان سے کستی ہو بھک کر اٹھا پردا کہ پروانے ہیں سب جمع کریں ہیں سیر بلبل باز آ کر نہ طوطی ہی فقط ہانچیں گے ہیں صدا وہ باغبانوں کی جنوں خیز عجائب باغ اور طرفہ جگہ ہے	اُتر پڑتی ہوں میں یاں سے زمیں پر جلے کب تک جُدا خانوس میں شمع لے آتے ہیں ہاں نیچرے اٹھا کر ہزاروں طح کے وہاں چھپے ہیں وہ جاری آبجوں شورش آئینہ کہ مشتاقوں کی گویا وعدہ گر ہے
--	---

دریاو سیر منہ میلہ اہل دہلی میں تاسف و نوحہ

از جدائی آل سرزمین

وہ سیر منہ اپنے حسب دلخواہ وہ پنشنہ کا درگاہوں میں جانا نہانوں کا اودھ کی سیر کرنا کہیں گپتا میں جانا گپت ہو وہ سورج کنڈ کے میلے میں چلنا	وہ نوح اور شیتا پیغمبر کی درگاہ ہزاروں وہاں پر یزادوں کا آنا ہر اک کافر کے غم میں جا کے مرنا بہانا عشق کے دریائیں دل کو ہر اک خورشید رو کے غم میں چلنا
---	--

۱۔ رتھ بان - رتھ چلانے والا ۱۲۔

۲۔ ہانچیں کہنا یعنی آواز نکالنا۔ بولی بولنا ۱۳۔

۳۔ غالباً یہاں گپت کاشی سے مراد ہے جس کا کسی کو پتہ نہیں۔ یا چھپنے کی جگہ ۱۴۔ اسی۔

دردانہ سازی مجلس سر و مشفق مہربان اسرار سیلہ اللہ الباری و لغمہ پر از محفل نغمہ بود کمال سلیقہ شعاری

نہ تھا بنگلے سے فیض آباد کے کم
وہاں ہوتا تھا پریوں کا گزار اور
دکھاتا قرعہ کوئی اور کوئی قال
سرا پاہیں وہ اک خوبی کا طومار
رہے سب دوستوں پر اٹکاسایا
عطائی جی کو خوش کرتے تھے گا کر
کچھ اُن سے سنتے اور اپنا سنا تے
بھی لگتے تھے گانے بے محابا
وے کسی سے تھی حکمت اڑائی
پکھا قوج کا اور اُن کے ساتھ بھینا
کہ جس سے بولے سینا ہو حیران

میں اسرار کے بنگلے کا عالم
مندان نے بسکہ تھا اک نقش مارا
مستے شام تماٹ بتا یہی حال
مندان میں ان کے قویہ دیں کا اسرار
کہاں ایسا کسی نے دوست پایا
مندان کے پاس سب جیسے کو اگر
انہوں کی چونٹ کسی تھے آتے
جنہوں سے کہ مرزائی و مرزا
انہوں سے تو کہنے کو عطائی
جنہوں کی وہ تانوں کا گر جانا
وہی انی میں ہر اک ایسا تھا وہ تان

لغمہ پر از محفل نغمہ بود کمال سلیقہ شعاری

۱۴۰

لغمہ پر از محفل نغمہ بود کمال سلیقہ شعاری
۱۴۰

اسی سے نقش کا اُن کے چوہرا
غرض پرچے میں ہاں کٹتی تھی اوقات
عجب ساون میں گڑیوں کا مزہ
خوشی ہے چل ہے عیش و طرب ہے
کہا جاتا نہیں کچھ واہ بس واہ
اگر فردوس بر روئے زمین است
سافر اس طرف جو آن بکلی
قدم وہاں سے جو اٹھ سکتا نہیں
نہیں بیگلا یہ جنت کا ہے بیگلا
یہ فیض آباد یہاں جس نے بسایا
ہماں جس سے ہوا آباد و معمور
یہ دیکھی سیر میں نے وہاں کی حیدم
رہا القصہ میں وہاں گھر بنا کر
وہاں بھی میں نے اک محبوب پایا
کہوں کیا اُس کے اوصاف جمیدہ
نئی طرزوں پر میرے دل کو پھیرا
غرض دل سے کہ اپنا ہاتھ اُسکے
نہ تھی معلوم مجھ کو یہ حیدرانی
بزدن سر سے قسمت لے نہ ٹالا

کہ ان کو یاد ہے تسخیرِ زہرا
عجب صحبت تھی وہ بہات بہات
ہتھ ولا جس طرف دیکھو گڑا ہے
سدا عالم ہی وہاں روز و شب ہے
عجائبِ شہر ہے اللہ اللہ
ہمین است وہین است وہین است
نہ نکلے وہاں سے غیر از جان نکلے
بہا نا ہے کہ نا کے سے نہ ہوں پار
ہر اک بستی ہے جس کے آگے جنگلا
بہشت اُسکی عوض دیکھو خدایا
شجاع الدولہ مرحوم و مغفور
وطن کا دل سے سب جاتا رہا غم
اُسی عشرت کدے کے پاس جا کر
نہایت دل کو وہ مرغوب پایا
نہایت لفریب و رشوخ دیدہ
بھلایا غم قدیمی اُس نے میرا
رہا آرام سے میں ساتھ اُسکے
قضا پھر لکھنؤ میں مجھ کو لائی
مجھے جنت سے جوں آدم نکالا

لے نواب شجاع الدولہ کے زمانے میں فیض آباد کو جنگلا کہا جاتا تھا ۱۲۱۱ء

خاتمہ اجتماع یاران قدیم و از داران صمیم ایں مقام
عالی مقام و استعدائے قیام ایں مقام علی الدوام

دعا میری یہی ہے اب شب روز مہر ہو شہر اور وہ باغ و گلزار پھروں میں چھپ کر تاجاں میں میری غزل خوانی میں شامل حسن جب تک رہے دنیا کی بنیاد	کہ پھر دیکھوں وہی روئے دل فرور وہی صحبت ہو اور وہ ساتھ کے یار غزل خوانی کروں جا ایں مکان میں رجب بیگ اور حبیب اللہ و فاضل رہے سرسبز فیض آباد آباد
--	---

زبیں وصف گل و گلشن بہم ہے
سو اس کا نام گلشن ارم ہے

۹۲ ص ۱۱

تمام شعری گلزار ارم

۱۵ رجب بیگ اور حبیب اللہ اور فاضل میرسن کے معاصر اور فیض آباد کے شاعر معلوم ہوتے ہیں
اگر مصنف نے صرف نام نظم کر دیا ہے۔ کاش وہ سب کے تخلص لکھ دیتے تاکہ تذکرہ حیات شعرا سے انکابتہ لگانا اور اس
آسان ہو جاتا۔ بہر حال یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر میرسن کے خاص دوستوں میں تھے اور مشاعروں یا شعر خوانی کی
مہکتوں میں ان کے شریک رہتے تھے۔ ۱۲۔

۱۶ ایں شعری کا نام تاریخ ہجو کہ مصنف گلزار میں جو غزلوں سے لکھا جاتا ہے۔ یکاے (ز) کے (ذ) کا استعمال کیا ہے
اور نہ تاریخ نہ نکل سکتی ۱۲ عبدالباری آسی۔

مثنوی رموز العارفین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حمد رب العالمین

<p>جس نے کی وحدت سے کثرت آشکار ایک شعلے سے جہاں روشن کیا کیا چراغ کعبہ و کیا شمع دیر ہر کہ دید آں را یقیناں سمع دید دید آخر آں بقائے اصل شد سو مقاموں میں یہ چھائی ہے نوا ہر مقاموں کو صدا ہی سے ہے کام ہے صدا چھائی ہوئی ہر رنگ پر اں مدار دکارش از کار و کار</p>	<p>ہے سزاوار شناوہ کردگار ایک دانے سے عیاں خرمین کیا ہے اسی کے نور کی ہر طرف سیر چوں چراغ نور شمعے را کشید ہچنین تا صد چراغ از عقل شد دیکھ تو کثرت میں وحدت کو ذرا کب صدا سے کوئی باہر ہے مقام کیا رباب ارغنون و چنگ پر حق محیط جملہ آمد اسے پسر</p>
--	--

۱۱۔ جب کسی چراغ نے کسی شمع سے نور پایا ہے تو جس نے اس چراغ کو دیکھا تو یقینی اس شمع کو دیکھا۔ ۱۲۔

۱۳۔ ایسے ہی اگر عقل سے سو چراغ جلے اسکے دیکھنے سے اصل چراغ کا پتہ چلتا ہے۔ ۱۴۔

۱۵۔ اسے لڑکے ذات حق سب پر محیط ہے۔ وہ دوسروں سے کام نہیں رکھتی ۱۶۔ اسی۔

وہ جو پیر و اُس کے ہیں اور دوستدار
اُن کا میں مدح ہوں یا ذوالجلال
چار یار و چار یار و چار یار
پنجتن کے فضل سے کرتے نہال

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

فکر و غم کی فکر سے آزاد رکھ
مشکلیں سب خود بخود آسان کر
دے فراغت اتنی اس دنیا میں تو
عارفوں کی رمز سے آگاہ کر
دے بصارت حق شناسی کی تجھے
شاعری میں عمر میں کھوئی تمام
اپنی اس ہیودگی سے ہوں محسوس
جی میں ہے وہ جو ہوئے ہیں نیک نام
جس کے سنتے ہو عقبی کا حصول
جو پڑھے اور جو سنے سو شاد ہو
روئے کوئی اپنی غفلت پر ذرا
بات حق کی گوش دل سے گرسنے
فکر کو ایدھر کی چھوڑے ایک دم
دل پہ لگ جاوے جو بات اُس طرف کی
گرچہ ہیں یہ درد کی باتیں لکھیں
از پیش ہر گریہ آخر خندہ است

دین و دنیا میں الٹی شاد رکھ
فکر میں روزی کے مت حیران کر
ہو سکے عقبی کی جس سے جستجو
ملک درویشی کا مجھ کو شاہ کبر
جس طرف دیکھوں تو میں دیکھوں تجھے
میں نے عقبی کا کیا سہر گز نہ کام
شعر کہنے سے بھرا ہے میرا دل
کچھ لکھوں میں ان بزرگوں کا کلام
کوئی دم تو جاؤں اس دنیا کو بھول
عاقبت اندیشی اپنی یاد ہو
حق کو پہچانے کوئی دم تو بھلا
اس گستاخ سے گل مقصد جتنے
ٹلک تو لاوے دل پر او دھک کا بھی غم
میرے حق میں ہے دعا شاید کوئی
پر غم دیں گی خوشی کا یہ کہیں
مرد آخر میں مبارک بندہ است

یہ ہزاروں کے ہزار ہیں۔ ہر آدمی کو ہر روز یاد رکھنا چاہیے۔

<p>یادگاری کو لکھی ہے یہ سخن چلے یہ حق میں مرے دیئے دعا نام حصول اس سے مجھے کچھ ہو مگر نام اس کا ہے رموز العارفین تھے ہزار ویک صد و ہشتاد و ہشت جب ہوئی تحریر یہ گفت و شنید خود حقیقت نقل حال است آن</p>	<p>وہ بیان رکھ اس بات پر یعنی سخن خط اٹھاوے اس سے جو شاہ و گدا ہو دعا شاید کسی کی کارگر عارفوں کی بسکہ رمزیں ہیں لکھیں جب بھراؤر معافی سے یہ طشت تھا اہینہ نیک و رسال سعید بشنویدے دوستان این داستان</p>
--	--

دنیا دار کا سوال فقیر کا جواب

<p>عشق میں اللہ کے دلریش تھے و اصل حق اور نیک اعمال تھے عشق کو مرشد سمجھ کر دل کو پیر اہل عرفان میں تھا ان کا سلسلا آہ درد آلود کی رکھے چھڑی قبہ افلاک کی سر پر کلاہ آرزو سے اس کی رہتا تھا بھرا دیکھنے کو تھے گدا پر شاہ تھے چاشنی فقر کا پوچھا مزا جاگتے جیتے ہوئے دنیا سے گم</p>	<p>ہے حکایت یوں کہ اک درویش تھے تھے وہ عاقل اور صاحب حال تھے چھوڑ کر دنیا ہوئے تھے وہ فقیر حق کے در پر تھے وہ بیٹھے سرمنڈا رشتہ الفت کی تھی سیلی پڑی خرقہ و جبہ فقط ظل الہ دل کا اک کجکول تھا آگے دھرا سر حق سے وہ غرض آگاہ تھے ایک دنیا دار نے القصہ جا یعنی لے حضرت بتاؤ مجھ کو تم</p>
---	--

لے اے دوستو اس داستان کو سنو۔ خود وہ ہمارے حقیقت حال کی نقل ہے ۱۷ اسی۔

<p>اُس سے سب لذت اٹھا دیں اس لیے پیو میں کھا دیں اُن کو جو ہیں ہوشیار دین کر دنیا میں حاصل و مبد م جسے حقیقت کے مرنے کا کچھ جواب بارے اُس عالم میں کیسا ڈھنگا ہے یوں حقیقت پر سنائی اک مثل اپنے دل میں ٹک سمجھ کر ہے تمیز پر کہاں یہ قسم ہر اک کے تئیں میں کہوں تو کیا کہوں لے مہرباں یہ حقیقت ہے نہاں چپ ہو رہوں گوش دل سے سن لے تو اس کو ذرا</p>	<p>حق نے یہ دنیا جو کی ہے کس لیے نعمتیں جو حق نے کی ہیں آشکار بندگی کر رکھ شریعت میں قدم ہے سوال اپنا یہ لے عالی جناب کیا مزا ہے اُس میں اور کیا رنگ ہے سُن کے اُس درویش نے کیا بر محل یعنی سُن اس بات کو یار عزیز شرع کے معنی حقیقت تو نہیں فی الحقیقت اگر حقیقت کا بیاں تلخ یا شیریں مزہ ہو تو کہوں نقل کیا اک بر محل پہونچی ہے آ</p>
--	---

حکایت بریل تمثیل

<p>گفتہ آید در حدیث دیگر اں کھیل میں باہم تھیں وہ سب بہتیاں تھیں بہم اس بات پر ہم قسمیں وہ کھیل کی باتوں سے وہ غافل نہ ہو ہاتھ سے جانے نہ دیں ہم یہ مزا کتنی مدت جب گئی اُس پر گزر</p>	<p>نوشتر آں باشد کہ سیر دلبراں اک محلے میں تھیں کتنی لڑکیاں گڑیاں کھیل کر تھیں آپس میں وہ یعنی ہم میں سے بیا ہی جائے جو جب چھٹیں سسرال سے میکے میں آ ہم قسم باہم ہوئیں اس قول پر</p>
--	--

۱۰۔ آہی یہ اچھا ہے کہ معشوقوں کے حال کو دوسروں کی باتوں میں بیان کیا جائے ۱۱۔ آہی

ناگہاں اُن میں سے شادی ایک کی
بعد کتنے دن کے وہ سسرال سے
رسم سے نوشتہ کے جام وصل سے
اور چوَن اور عالم اور ہے
وہ بیان گڑیوں سے نہ طلب کھیل سے
خرد سالی کی وہ باتوں سے غیور
دیکھ کر تب ایک نے یہ اسکا حال
کیوں بہن کیا تھا ہم قول و قرار
اُس مزے سے ہم کو کبھی آگاہ کر
گڑیوں کے بھی کھیل سے کیا ہر عزیز
تب کہا اُس گھر بی بی نے اے بہن
سخ و شیریں ہو تو بولوں ماجرا
بات ہے باہریاں سے اُس کی تو
بیاہ جب یوں ہی تمھارا ہوئے گا
تم بھی تب یہ کھیل بھوبوگی تمام
اصل کو پہچانے تو نقل سے
کھیل گڑیوں کا ہے یہ دنیا بھی
اب کہے اُس کھیل میں ہنا ہے غرق
کھیل گڑیوں کا تو ہے یہ تب تلک
گڈے اور گڑیوں کا اب کس کو مزا

اتفاقاً اُن دنوں میں ہو گئی
آئی میکے میں عجائب حال سے
جی میں خوش اور شاد کام وصل سے
اور ہی شادی کچھ اور غم اور ہے
کچھ خبر سستی سے اور کچھ تیل سے
لڑکیوں ہجولیوں سے دور دور
جا کیا گوشے میں یہ اس سے سوال
کیوں بھلایا کھیل کا دار و مدار
تلخ ہے شیریں ہے کدے سرسبز
بیاہ کہتے ہیں جسے وہ کیا ہے چیز
کہنے کے لائق نہیں ہے یہ سخن
جھجھ پر اُس کا نہیں آتا مزا
جی ہی جانے ہے یہاں پر گو گو
جب مزا معلوم سارا ہو دے گا
اور ہی کچھ کھیل ہو گا وصال
کر ذرا دریافت اس کو عقل سے
جب پڑے اُس گھر میں تو جانے بھی
بھونٹا در سچ میں سمجھ کتنا ہو فرق
گھر میں دلہا کے نہ جائے جب تلک
کچھ کا کچھ یاں کھیل اور ہی ہو گیا

جب مجازی کا نہ ہو یا رو بیاں
گوئل یہ ہے مجازی اسے عزیز
تجھ کو اُس عالم کی گرہے آرزو
کفر کا فر اور دین دیندار را
درد ہے اور درد ہے اور درد ہے
جا مجازی میں قدم پہلے تو رکھ
درد سے آگاہ ہو پہلے عزیز
جانبوں سے پہلے اپنا دل لگا
پہلے اُن کی دیکھ لے محبوبیاں
یونانی اُن کی جب ہو آشکار
پھر سمجھ تو کچھ کہ دنیا کچھ نہیں
سب سے گردِ خالی اور لمبی جا
دل ہے مرشد اور دل ہے راہبر
سب تو اپنے دل سے باہر کر ہوس
سچ کہا ہے مولوی نے لے حسن
گوشِ خربروش و دیگر گوشِ خر

پھر حقیقت کس طرح سے ہو عیاں
پر حقیقت کو ہیں سے کر تمیز
دین اور دنیا اٹھا رکھ ایک سو
ذرہ در دے دل عطار را
سب کچھ اس لذت کے آگے گرہے
پھر حقیقت کا مزہ من بعد چکھ
پھر حق و ناحق کے غم کو کر تمیز
دیکھ تو کرتا ہے پھر کیا کچھ خدا
تاکہ ہو دیں اُن کی ظاہر خوبیاں
ان گلوں سے تیرا دل ہو خار خار
گر چہ ہے سب کچھ پر اپنا کچھ نہیں
دل میں اپنے کچھ نہ لا غیر از خدا
دل سے اپنے بھی رکھا کر کچھ خبر
یہ سخن رکھ یادِ نجھ سے اور بس
ہوش ہے تو گوش میں رکھ یہ سخن
ایں سخن باور مدار د گوش کر

سبب چھوڑنے ابراہیم ادم کا سلطنت کو

بات آئی یاد اور عبرت فرا | اُس کو لگتا ہوں مفصل چند جا

سلطان کا ہر کو دے اور دین اختیار کو گراں در اسرار و عطار کے دل کو دیدہ ۱۷۷-
اسلمہ یہ تیرے ہونے کے لئے کہانیاں ہیں جنہیں جیسا کہ اور دوسرے کہانیاں ہیں جو ابھی کے ہیں ان کا بیان ہے

<p>صاحب تاج و سریر و عزد جاہ حاکم افواج جوں سور و بلخ کثرت اولاد ہم از حد فزوں رات کو خلوت میں اُسکی گل خزار جس کو چاہے خود کرے زبرد دشت بیابا کیوں ہوا دل توڑ کر کردیا کیوں آپ کو خود خاکسار ہو گیا کس چوٹ سے دل لوٹ پوٹ برسہ عنوان دُور معنی سفتہ اند مگر گئے ہیں راویان پاستاں با ونا و باجیا و با تمیز رہتی تھی خدمت میں شہ کی و نشہ پر کیا اک دن قضا نے غافلہ ایں خطا سرزد ازاں بجا پرہ اُس کے رو پر جا کے لیٹی سید رنگ اُس پہ آخر نمیند نے غلبہ کیا کچھ نہ سدھ بدھ اپنے تن کی رہی</p>	<p>تھا جو ابراہیم ادھم بادشاہ مالک ملک بجا را و بلخ دولت و حشمت ز اندازہ بروں دن کو صحبت باندیم نامدار کچھ نہیں اعدائے رکھتا تھا خطر اُس عظیم السلطنت کو چھوڑ کر چھوڑ کر یہ اختیار و اقتدار کون سی دل کو لگی تھی اس کے چوٹ پا عشاں آں برسہ عنوان گفتہ اند تین ہی باتوں پر حصر اُن کا بیاں ایک تھی سلطان ادھم کی کینز ہر زمان وہ دست بستہ باادب گر یہ وہ لونڈی تھی از بس عاقلہ اُن قضا کس رائے باشد چارہ تھا جو شہ کی استراحت کا پلنگ چل رہی تھی اُس گھڑی باد صبا خواب غفلت میں وہ ایسی آگئی</p>
---	---

۱۱۔ اس کی دولت اور حشمت اندازے سے باہر تھی۔ اور اولاد کی کثرت بھی ایسی ہی تھی۔
 ۱۲۔ اُس کے تین سبب بتائے گئے ہیں۔ اور تین عنوانوں سے اس امتان معنی کو بیان کیا ہے۔
 ۱۳۔ تقدیر کے سامنے کچھ چلتی نہیں۔ اُس غیب سے بھی یہ خطا سرزد ہوئی۔ ۱۲ اسی۔

<p>لیکن اک دم بھرنہ سوئی تھی وہ آہ اس خطائے ناپسندیدہ چودید حکم پھر ارباب خدمت کو دیا ہر طرف سے اس پہ گویا تھی مار مار پر اس طور سے مہنتی رہی دیکھ کر یہ حال وردہر زباں شہ نے یہ طرفہ جو دیکھا ماجرا گفت آخر راست گولے نیک نے سچ بتا کیا دل میں تیرے ہے بھرا ضرب جاکے گریہ و غم دیدن است گفت شاہا بندہ ام و نماں پذیر راستی کا وہ جو رہتی تھی شمار اس بچھورنے پر میں سوئی ایک دم جو کہ سویا ہو گا ہر صبح و مسا خواب یک دم داو بر من اس تعب</p>	<p>آن پہونچا سر پر اس کے بادشاہ از غضب لب زیر دندان برگزید اس خطا کی جلد دو اس کو سزا مار پر مہنتی رہی پر بے شمار خندہ زن ہو جس طرح کبکری الامان تھا الامان تھا الامان دلیس کتا تھا کہ ہے کیا ماجرا در چنین حالت چرائی خندہ زن مار پر مہنتی رہی کیوں بر ملا یا برے بھجت و خندیدن است انجہ می خندم بگویم ناگزیر راست ہی اس نے کیا یوں آشکار اس لیے کھینچے ہیں کیا کیا رنج و غم حال اس کا ہو گا کیا روز جزا واسے بر آنکس کہ خواب روز و شب</p>
--	---

۱۷۱ بادشاہ نے جو اسکی یہ قبیح خطا دیکھی تو غصے میں ہونٹ چبانے لگا۔

۱۷۲ بادشاہ بولا اے نیک بخت سچ سچ بتا۔ تو ایسے حال میں نہیں کیوں رہی۔ ۱۷۲

۱۷۳ چوٹ لگنے سے ادھی کو روٹا آتا ہے نہ کہ خوشی ہوتی اور مہنتی آتی۔ ۱۷۳

۱۷۴ وہ بولی اے بادشاہ میں تو انکی بعد از در فرمانبردار ہوں جس لیے میں نہیں ہی ہوں مجبور و غمگین۔

۱۷۵ اس تہ پر دم بھر کے سونے نے جھکویہ پہنچ دیا۔ فہوئیں سپر جو شب روز اسپر سوتا ہے ۱۷۵

<p>و رسم خواہی تو انیک حاضر است لی کچھ انگشت حیرت در دہاں پھر تو روئے اسقدر غش کر گئے کر نہیں سکتا ہے راقم کچھ قسم دیگر ہرگز نہ گوید مشکل او شب چو آمد یک گل دیگر شکفت گشت فارغ آں شہ عالی مقام ئے گئے تشریف اس میں بادشاہ لیک اس دم آگئی اس کو نواس کان میں پہنچی کہیں آواز پا کانپ اٹھا گویا زمین و آسمان اس نے لکا را رنگ شیر زر چوں نہادی تو قدم بر بام ما ہوں شترگم کردہ پیر نا تو ان آن پہونچا یاں بھی بہر جستجو</p>	<p>باعث خندیدم این ظاہر است شہ نے یہ عبرت زدہ سن کر بیان پہلے ان باتوں پہ شایش کر گئے شاہ ادھم پر جو گزرا سرخ و غم بجز رد ہر کہ باید پرس اند و روز شد آخر دریں گفت و شنفت باز وقت شب چو از غوغاے عام نقر عالی استراحت کا جو تھا باجراے روز سے تھا گو ادا اس کچھ شکر خواہی تھی لیکن چشم و غیظ میں آکر ہوا نعرہ زناں بعد اس کے پھر ٹھہر کر لمحہ بھر ہیں بگو تو کبیتی اسے مرد کا عرض کی اس نے کہ لے شاہ جہاں دھونڈتا پھرتا ہوا اونٹ اپنے کو</p>
--	--

۱۰ میرے ہنسنے کا سبب تو یہ ظاہر ہے اور اگر تو میرا سر کاٹنا چاہتا ہے تو یہ سر حاضر ہے۔ ۱۱

۱۱ جس پر گزرتی ہے اس سے پوچھو دوسرا اس کی طرح کیا بیان کرے گا۔ ۱۲

۱۲ دن تو اسی کہنے سننے میں تمام ہو گیا۔ جب رات ہوئی تو ایک نیا شگوفہ کھلا۔ ۱۳

۱۳ پھر رات کے وقت جب غلے عام سے وہ شاہ عالی مقام فارغ ہوا۔ ۱۴

۱۴ ہیں تا اسے مر دک تو کون ہے۔ تو نے کل خانہ شایہ میں قدم کیسے رکھا، اسی۔

<p>یابیا بھیا نہ یا بھیا بھیا نہ یا بھیا نہ بدترین از بدترین است این گناہ بدترین ہے جرم سے بھی حیلہ جو جستجوئی کی گئی بر بام ما یا خیاباں میں ہو امفقو داؤٹ ہیکس باور نہ دار دایں کلام آشترت را کس چہاں نیجاہست منصفی شرط است بشنو تو ز گوش خویش را دانا شمار ی شہریار سر بیندازی اگر در جیب خود پھر بتا ہوں راستی پر میں کہ تو آز ہے ملک و خراج و تاج کی</p>	<p>بیم آخر تاجہ خواہد کردگار گفت غم نہ عذر توے رویاہ یعنی تیرا عذر جو لایا ہے تو کردہ باشی گم شتر در کوچہا یابیا باں میں ہو امفقو داؤٹ تو کہ می جوئی شتر بالائے بام ہیچ نہ شناسی تو از بالا و پست گفت اے شہ ہوش کن چندان خوش بہرمن صد طعنہ داری شہریار آں زمان واقف شدی عجب د یعنی منصف ہو کے سب سے گفتگو آپ کو ہے جرم تخت تاج کی</p>
---	---

۱۰ اب میں دیکھتا ہوں کہ خدا کیا چاہتا ہے میں اپنے اونٹ کو پاتا ہوں یا نہیں پاتا ہوں۔ ۱۰

۱۱ بادشاہ نے ازراہ نفرین کہا کہ اے رویاہ تیرا یہ عذر کس قدر کمزور ہے اور تیرا یہ گناہ بد سے بدتر۔ ۱۱

۱۲ کہیں گلی کوچے میں تیرا اونٹ گم ہوا ہوگا اور آیا ہے ہمارے یا لاخانے پر تلاش کرتے۔ ۱۲

۱۳ تو جو کوٹھے پر اونٹ تلاش کر رہا ہے۔ کوئی اس بات کو مان نہیں سکتا۔ ۱۳

۱۴ تجھے نیچے اونچے کی کوئی تمیز ہی نہیں بھلا تیرا اونٹ کو یہاں کسی کے کس طرح باندھا۔ ۱۴

۱۵ وہ بولا ہاں پناہ تاغصہ نہ کیجیے ذرا ہوش میں آئیے انصاف شرط ہے ذرا غور سے سنئے۔ ۱۵

۱۶ کہہ ہاں پناہ مجھے تو طعنہ دیتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا ہوشیار سمجھتے ہیں۔ ۱۶

۱۷ آپ کو اپنے عیب کی وجہ خبر ہوگئی جب اپنے گریبان میں ہنڈا انکر دیکھیں گے اسی۔ ۱۷

<p>آرزوئے جامہ کخواب و رخ ہم ہو اسے گوہر و یاقوت و زہر ذوق داری باطریفان جہاں طالب تسخیر روم و دوس وے خواہش خاطر ہے پاؤں سرسیر ہم کاب خاص ہوں لاکھوں سوار گراؤں سے سمجھے عبیر و بید مشک غیر ممکن گو ہے اس کا اتفاق آپ کو میں کیا کہوں جز زرش گاؤ چاہتے ہو اس میں مل جائے خدا گو کجا گنج خدا را جستجو ہست ز عمت پر خطا و پر خطا میں بھی پاؤں کا شتر کو بام پر مطلب من ہم بیابد انصرام</p>	<p>اشتہائے خوش غذا و آب منج آرزوئے گل رخاں سیبیر شوق داری باطریفان جہاں طالع ملک قمر قیاق و سطل بلکہ ہفت اقلیم کا سب بحر و بر ہے ہوس یہ ہی کہ جب ہم ہوں سوار سم سے ان کے خاک یا سحرین نیشک اور عمر خضر کا ہے اشتیاق ما سوا اس سب کے اور کتنے سو بھاؤ دل میں مجموعہ بھرا ہے حرص کا دل پُر از حرص و ہوا و آرزو حُب دنیا داری و حُب خدا مال و زہر میں توفہ اکو پاسے گر گشت کار تگر یہ مقصودت تمام</p>
--	--

۱۷۴ عمدہ غذا اور ٹھنڈے پانی کی خواہش ریشمی اور کخواب کے کپڑوں کی آرزو ۱۷۵
۱۷۵ خوبصورت خوشبو کی آرزو جو اہل آرزو کی متنا ۱۷۶ اچھے خوشنق عیبوں سے آپس میں
رہتے ہیں ۱۷۷ دیکھو اور نیکو کپڑے کیسے چھپ رہے ہیں ۱۷۸ مختلف ملکوں کی طرح روم، دوس وے کے گھر
کی فکر ۱۷۹ ہمارے ہوس سے تو دل پُر ہو رہا ہے پھر اس میں خدا کی گنجائش کہاں ہے ۱۸۰ مائوسی
۱۸۱ دنیا کی بھلی محبت اور خدا کی بھلی طلب یہ آپ کا خیال خام اور سراسر خطا ہے ۱۸۲ کسی
۱۸۳ اگر آپ کا کام آپ کے حسب مقصود ممکن ہے تو میرا کام بھی ہو سکتا ہے اور اونٹ کو ٹھیکہ پر لے سکتا ہے

گر خدا خواہی تو در عیش و طرب
 ہم خدا خواہی و ہم مال و منال
 لیکن اس شہ تیری خاطر یہ دعا
 جبکہ ہو دے جاے شہ اس تن غیر
 اور خدا تیرا کرے انجام نیک
 جب شاہ نے یہ سارا دعا
 گفت شہ نے نیک فرخندہ قدم
 از خطایم در گزراے مرد پیر
 این مثل مشہور است اسے مرشد
 من ازیں دم روز ہر سوتا فتم
 پھر کہا دل نے کہ ہے کیا سوچتا
 بیعت اس سے کیوں نہیں کرتا مئی
 دست بیعت کو وہ شہ جنم گیا
 شاہ کا اب سر ٹیکنا کیا کہوں

من شتر یا ہم بہ بامت جبر عجب
 ایں محالست ایں محال رستا ایں محال
 مانگتا ہوں اور مانگوں گاسدا
 ہو دے یا رب خاتمہ شہ کا بخیر
 تا دد عالم میں ہو تیرا نام نیک
 اور اس سے گوش زد کی سب دعا
 من مرید تو شدم تو مرشد م
 دستگیری کن مرا سدا دستگیر
 از بزرگان عفو دار خرداں خطا
 یا فتم تو انجہ گفتی یافتسم
 دوڑ جا پاس اُسکے اس دم دوڑ جا
 اس سے بہتر پھر نہ پا دے گا کبھی
 دیکھے کیا وہ شخص داں سے رم گیا
 خون کا آنکھوں سے ٹپکنا کیا کہوں

۱۷ اگر تو باوجود اس عیش و طرب کے خدا کی تلاش میں ہو تو اگر تیرے کو ٹھکے پرانے کو پاؤں ہو گیا تعجب نہ
 ۱۸ شہ تو خدا کو بھی ڈھونڈتا ہے اور مال و منال کی بھی تجھے خواہش تو یہ بانگ محال ہے ۱۲
 ۱۹ شاہ نے کہا اے بزرگ مبارک قدم میں تیرا مرید ہو گیا اور تو میرا پیر و مرشد ہے ۱۳
 ۲۰ اے بزرگ سہی میری خطا معاف کر دے اور میری مدد کر میرا دعا دے ۱۲ اسی -
 ۲۱ اے میرے مرشد یہ مثل مشہور ہے کہ چھوٹے خطا کرتے ہیں اور بڑے معاف کرتے ہیں ۱۲
 ۲۲ میں نے اس وقت سے ہر طرف سے تمہارے پھر لیا اور جو کچھ تو نے کہا اسکو سمجھ لیا - ۱۳ اسی -

<p>شاہ پر گزر اسو بولوں کیا بھلا نگاہ درخشاں و زاری در گزشت صبح نے اور ہی کیا کچھ انتظام شہ کے دل میں بسکہ تھا شب کا غما جا کے بھلاؤں کہیں جی کو بھلا جی کو بھلانے چلا ہو کر سوار راہ میں کیا دیکھتا ہے اس گھڑی پاکشیدہ خاک پر خوابیدہ شہست اور سر ہانے اسکے بیٹھا سارباں ہم بقید زندگی خوابندہ است زود تر از راہ اشتر را براں ہو رواں جس سے شہر وہ ہے کہاں وہ کہاں شے جس سے یہ کرتا تھا دو ہو نہیں سکتا ہے یہ ہرگز رواں کب ہلا سکتا ہے اچ دست و پا گر گیا ہے اس جہاں سے انتقال ہو گیا اک دم میں بیٹھے بیٹھے فوت</p>	<p>ساخہ اس شب کا کھولوں کیا بھلا نگاہ درخشاں و زاری در گزشت ہو گئی الفصہ ساری شب تمام ہو گئی جب صبح صادق آشکار ناگہاں مرنے کو خاطر یوں ہوا پھر تو صحرا کی طرف وہ نامدار جب وہاں سے اسب کو ہمیں کی ایک اشتر فر بہ واعضا درست یعنی دیکھا اک شتر خوابیدہ واں شاہ دانست این شتر ہم زندہ است نعرہ زدیاں سارباں کلے قلبیاں یوں کہا اس نے کہ اسے شاہ جہاں وہ کہاں شے جس سے تھا یہ اہر و ہے نہیں کچھ اس میں اب تاب تو اں ہو گئے بیکار سب اس کے قوا کیا کہوں حضرت اب میں اس کا حال الغرض مٹی آئی اس دم اس کی موت</p>
--	---

۱۰ کبھی فریاد زاری میں وقت کاٹا اور کبھی اشتر شناری کر کے رات گزاری ۱۱ کسی

۱۲ بادشاہ نے دیکھا کہ یہ اونٹ بھی زندہ ہے اور زندہ ہونے کی حالت میں سو رہا ہے ۱۳

۱۴ اونٹ والے کو ڈانٹ کر کہا کہ او بد ذات جلد اونٹ کو راستے سے ہٹا ۱۵ کسی

<p>پر کسی دھب سے نہیں پائی شفا جانتے ہیں اس کو سب پر نادیر جان سے گویا ہوا قالب تہی سامنے آکر یہ نسران خدا جلد کر سامان سفر کا اسے غریب تازیا نہ ایک عبرت کا نگا راہ صحرائی چو اسپ بے لگام داں ہوے دوست قدرت آشکار کہ ید اللہ فوق ایدیم جو تھا دست میں دے دست بیعت کر قبول منکشف سب ہو گیا ارض و سما از رموزِ عارفان آگاہ شد</p>	<p>نام بقدر اس کی میں نے دوا موت تو ہرگز نہیں درماں پذیر موت کی جوشہ نے پائی آگہی پھر تصور موت کا اپنی کیسا یوں کہا اُس نے کہ ہوں میں عنقریب موت سے جس دم سُنا یہ بر ملا ادھم بجا پرہ نے بس تیز گام جو ہوا اک دشت میں اس کا گزار لمحہ غیبی نے پھر یوں دی صدا اُس اشارے کا ہے یشانِ نزول الغرض جب شاہ بیعت کر چکا ورثہاں دم واصل اللہ شد</p>
--	---

پوچھنا کسی کا سبب بونے مال کا اور جواب بہیم ادھم کا

<p>چھوٹے سلطانی کا سبب تاج و سریر لے کے دریا میں ڈبا سارا دیا کیوں نہ ہر اک کو دیا یہ اسے ملک مایہ بعض و حسد نخوت کا گھر جانتے ہیں اس مثل کو خاص عام</p>	<p>کہتے ہیں ادھم ہوے جس دم فقیر مال و زینتِ خزانے بیچ تھا پوچھا اک نے کیا کیا یہ لے ملک در جواب اس کو کہا یہ مال و زر یوں سُنا میں نے بزرگوں سے کلام</p>
--	--

اسی وقت خدا سے دہل اور رموزِ معرفت سے آگاہ ہوئے ۱۲ آبی -

آپ پر جو چیز ہووے ناپسند انچہ پسندی بخود اسے شیخ دیں حظ اٹھانا اُن کے تو اس نقل سے	غیر پر بھی اسکو مت رکھنا پسند چوں پسندی بربرادر بربریں عہد میں سلطان ابراہیم کے
--	---

حکایت ابراہیم اودھم و پیر زن گریاں کی

کہتے ہیں ایک پیر زن مٹی عابدہ یعنی حق کی بندگی کرتی مدام عمر سے اپنی کیسا کرتی جھکا سن کے یہ احوال اس کا بادشا جانتا راو پر اُسے دیکھا کھڑے جب عبادت سے ہوئی فارغ وہ زن اتنا تورویا نہ کر اسے پیر ز ال گر یہ رونا ہے تو پھر آنکھیں نہیں پیر زن نے جب سنی شہ سے یہ بارت چشم فرداے قیامت میں اگر تو تو کوری کا نہیں دنیا کا غم اگر وہیں محروم اس دیدار سے حشر میں گر منہ نہ دیکھیں یار کا ایسی بینائی کے درکار ہے	طاعت حق میں نہایت زیادہ اُس عبادت پر تھا روزناس کا کام اُسکے رونے سے اثر ہر دل پہ تھا ایک دن اسکی زیارت کو گیا سر سے پانک شک کے موتی پڑے شاہ نے اس سے کہا تب یہ سخن رحم کر آنکھوں کا اپنی دیکھ حال بکریہ دے تار یک آنکھوں کے تیں در جواب اس کے کہا اے نیکو ات دوست کا دیدار دیکھیں بھر نظر سہل میں یہاں کے یہ بے بیخ و الم تو تو ہیں یہ رشتہ دیوار سے تو تو اُس کا گور ہی رہنا بھلا ایسی بینائی سے دل بیزار ہے
--	---

اے شیخ دیں جو تو اپنے لیے پسند نہ کرے وہ دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرے ۱۲ اسی۔

چشم سے منظور ہے دیدار دوست سُن کے ابراہیم ادھم بادشاہ شکر کرتا ہوں زمانے میں مہرے طالب مولا حسن کیا لوگ ہیں اے برادر یک دم از خود دور شو تو کہ یوسف نبی یعقوب باش	ور نہ اک بادام کا سا ہے یہ پست دل میں یوں کہتا اٹھا یا راکہ ایک اک ایسے بھی ہیں طالبِ مست ہیں وہ اعلیٰ اور ادنیٰ لوگ ہیں یا خداؤ غرقِ کج سر نور شو بھجو او در گریہ و آشوب باش
--	--

پوچھنا کسی کا حال وقات گزاری کا جواب اس خرقانی کا

ایک نے یہ بات پوچھی یا رے بو آسن خرقانی اس کا نام تھا یعنی کیا ہے حال و گزران اب بو آسن نے یوں کہا تب بھر کے آہ و اے اسپر اسکا کہہ کیا ہو گا حال فرض اپنا اک طرف چلے خدا اک طرف اطفال مانگیں بے نان تس پہ کشتی جائے ہر دم عمر آہ اس ششت اور تفکر میں بھلا فضل کچھ تو حسن پر اے خدا	نے مجھ سے قبیلہ دار سے فکر میں روزی کے بے آرام تھا کس طرح کٹتے ہیں کہ اوقات سب پوچھ مت بھائی مرا حال تباہ جسکے ہووے گردان باتوں کا حال واجب اور سنت کو مانگے مطلقاً اک طرف چا میں فرشتے ہم سے جان اور بڑھتا جائے ہر لحظہ گناہ کوئی آسودہ ہو اب دنیا میں کیا ہے بہت نازک یہاں کا ماجرا
---	--

۱۵۔ اے بھائی دم بھر کے یہ خودی سے دور ہو اور خدا کے قریب ہو کر غرق ہو جا۔
۱۶۔ جب تو پوچھتے ہیں تو یقیناً بن جاؤ لیکن یہ کی طرح تار و پیک میں مشغول ہو آؤ

کنویں پر پیاسا رہتا ابراہیم ادھم کا اور سیراب ہونا ہرنوں کا

<p>یاد آئی پڑھ سناؤں میں بستھے خاکساری میں رواں تھا مثل گرد دور سے دیکھا کنواں اک کھیت پاس پانی کو دیکھا تو بے گادور تر ہے نہ ٹوٹا اور نہ کجکول ہے یعنی گردلو اور رس ہاتھ آئے اب در نہ پانی یہاں سے پینا ہو حال اُس طرف سے آئے جو پیاسے ہرن دو ہیں پانی سے بھر منہ تک کنواں آسمان کو دیکھ کر بھاگے وہ سب اُس لبالب چاہ سے اب پیچے آب ادھم سچا رہ حیراں رہ گیا ہو وہ ہرنوں کے لیے لبر زچاہ جاوے یوں تخت الشری کے تخت آہودوں کا کب عقیدہ سست تھا دُول رستی پر نہ تھا اُن کا مدار</p>	<p>نقل ابراہیم ادھم کی بکھے فقر کے عالم میں تھا صحرانورد اک بیاباں میں لگی اُس کو پیاس کی نظر ادھم نے جو اُس چاہ پر واں نہ رستی ہے نہ اُس پر ڈول ہے دل میں یہ خطرہ پڑا ادھم کے تب تو تو ہم پانی کو لیں یاں سے نکال یہ تو یہاں چاہا کیے دلو اور رس جو نہیں آئے اُس کنویں پر آہواں پنی کے پانی وہ ہوے سیراب جب وہ ہیں ابراہیم نے چاہا شتاب تھا جہاں آب آکے پھر واں رہ گیا یوں کہا ہے تاب ہو بارِ اکہ اولاد ابراہیم کی خاطر وہ آب اتنے میں ادھم کو پونجی یوں ندا تھے کرم کے میرے وہ امیدوار</p>
--	--

تیری تو دل و دہن پر مہتی نظر آہوؤں نے کی تھی اچھ سے طلب جب نہ اپوچی یہ ابراہیم کو بس یہ لازم ہے سبھوں کو دوستاں تو نہ رکھیں چاہیے اہل مراد	جا کے رستی ڈول سے پانی کو بھر ڈھونڈتا پھر تاتھا تو اس کا سبب مار کر نعرہ گرایے ہوش ہو دے اگر توفیق حنّاق جہاں غیر حق ہرگز کسی پر اعتقاد
--	---

اناخوان کھانے کا ابراہیم ادھم کو پیسٹ پر

بادشاہت چھوڑ جا ادھم چلے بیٹے کو اپنا کیا قائم مقام آپ نے پھر راہ صحرائی غرض ساتھ اک پیالہ لیا اور بوریہ ایک سوزن خرقدہ سینے کے لیے شہر سے باہر نکل جو کی نظر بوریا پھینکا دہاں اور یہ کہا آگے جا دیکھا تو اک بیچارہ آب باتھ سے پیالے کو بھی توڑا وہیں آگے دیکھا ایک سوتا ہے غریب حکیم بھی چھوڑ افضولی جان کر آگے جا کر دیکھا تو اک نیک خو باتھ سے سواک بھی تب پھینک دی	کوہ و صحرا کی طرٹ کو شہر سے بادشاہت وہ لگا کرنے تمام مال دنیا سے نہ کچھ رکھی غرض ایک سواک اور اک تکیہ لیا بس یہ اسباب ضروری لے لیے سوتے دیکھا ایک کو دہاں خاک پر خاکساروں کو زمیں سے بوریہ اک سے پیتا ہے مٹھیلے حجاب مینی پی لیوں گے ہم پانی یونہیں باتھ کو رکھے سر ہانے بے نصیب یعنی اک یہ بھی ہے مجھ پر بار سر انگلیوں سے مانجنا تھا دانت کو پاس اپنے ایک سوزن ہی رکھی
---	--

سیر کرتے کرتے اس نشہ کا گزر
آدمی وال کھانا وال حیوان تھا
دور سے اک بھو پڑی آئی نظر
کر کے عشق اللہ پھر بیٹھے وہاں
بولا وہ درویش لے درویش تو
پاں نہ دانہ ہے نہ پانی ہے کہیں
تب یہ بولے اس سے اے کم حوصلا
تیرا میں ہماں نہیں لے تیکہ دار
جس نے دی ہے جان وہ دیو گیکانان
خو آجہ پندار دکھ روزی دہ دہ
جو کسی کے پاس آتا ہے عزیز
ہے خدا سب کا نہیں کرتا شریک
دیکھ آئے مت کسی کو سہم جا
کہلے یہ مہٹ اور وہاں سے جا ہے
شام کو اک لوٹا اور دو روٹیاں
اور نشہ کے واسطے خوان طعام
ظرف چینی اور اُن پر خوان پوش
کھانے کے ابراہیم نے پانی پیا
یہ تو نعمت لے کے سب چلتے رہے

ایک دن جا کے ہوا اک کوہ پر
یا تو تھا وہ کوہ یا میدان تھا
دیکھا اک درویش کو اُس کوہ پر
بیٹھا نشہ کا ہوا اُس پر گراں
رات کو رہنا نہ یاں درویش تو
مصلحت تیرا یہاں رہنا نہیں
رزق کا ہرگز نہ کریو تو بگلا
جس کا ہماں ہوں وہی ہو گلسا
گر نہیں باور تو کرے امتحان
اِس نہ پندار دکھ روزی دہ دہ
قسمت اپنی ساتھ لاتا ہے عزیز
رزق میں باہم کسی کو لا شریک
اُس کی قسمت کا ہو ساتھ اسکے دھرا
سامنے تیکے کے جا ستار ہے
تیکے والے پر وہاں کے اُتریاں
اک پلاؤ کی رکابی ایک جام
تھا تکلف سے بھرا سامانِ نوش
شکر نعمت کا پھر اک سجدہ کیا
وہ جو تیکے دار تھے جلتے رہے

لے زیندار کا خیال بھکر روزی گاؤں کی تہ سے لٹی ہے یہ نہیں سوچتا کہ روزی دینے والا دیتا ہے ۱۲

شام جب آئی وہی پھر اُتریاں
 مارے غصے کے اُنھوں نے یوں کہا
 ایک کو بھیجو ہو قلیہ اور پلاؤ
 جیسا وہ درویش میں درویش ہوں
 کیوں بڑھائی ایک کی یہ عزت و شان
 جب کیا شکوہ یہ اُس نے آشکار
 کاے فقیر اتنا نہ بھول اپنے تئیں
 اس کو گر پوچھے تو یہ تھا بادشاہ
 چھوڑ کر نعمات دنیا کی تمام
 وہ حکومت صاحبی سب اپنی چھوڑ
 صاحبی جو چھوڑ کر ہو دے غلام
 تیری اُس روٹی سے یہ کھانا ہو کم
 اور اپنا وقت بھی تو یاد کر
 ایک گھسیارہ تھا تو مرد غریب
 جنگلوں میں کھودتا پھر تا تھا گھاس
 تو ہوا تھا چھوڑ کر اُس کو فقیر
 اس مشقت سے بسر کرتا تھا تو
 تجھ کو میں پکی پکائی روٹیاں
 گر رضا پر میری تو راضی نہیں
 دل فقیری سے اگر تیرا پھرا

ساتھ اک لوٹے کے دان روٹیاں
 میں نہیں کھانے کا کھانا آپ کا
 تجھ کو جو کی روٹیاں سوکھی کھلاؤ
 جیسا وہ دلریش میں دلریش ہوں
 ہیں فقیر آپس میں ہم سب ایکساں
 تب ہو اس پر خطاب کردگار
 تجھ کو شرم اس بات پر آتی نہیں
 میرے خاطر تجھ دیا تاج و کلاہ
 وہ شراب و روہ کیا ب و روہ طعام
 بندگی میں میری آیا ہا تھا جوڑ
 کیوں نہ دوں میں اسکو اک خوان طعام
 یاد کر تو اُس کے وہ ناز و نعم
 کس طرح اوقات ہوتی تھی بسر
 کھودتا تھا گھاس تولے بد نصیب
 اک ٹکا آتا تھا اُس کا تیرے پاس
 ماں نہ بیگم تھی نہ بابا تھا امیر
 سر پر کٹھائے کے نت مرتا تھا تو
 بھیجتا ہوں ساتھ پانی کے یہاں
 جاٹھکانا اپنا کرایاں سے کہیں
 جالی اور کھر پاپے وہ تیرا دھرا

<p>ایکے گھریا گھاس اپنی کھود کھا مت رضا سے اسکی باہر کہ قدم کھینچ مت بیفائدہ سچ و تعب می نتا بد کوہ را یک برگ کاہ ورنداری گرد بد خوئی مگرد طالبوں کو نت رضا مطلوب ہے فہم کر یہ تو توئی کی بات مان درنوشتن گر چہ ماند شیر و شیر واں یک شیرے کہ آدم میخورد عجز میں وہ آدمی گر ہے بھلا کس طرف ہر کا پھر ہے ہر خیر ہے</p>	<p>عاشقی سے تو ہماری باز آ جو خدا قسمت سے دیوے بیش و کم ظرف سے بچے نہ کر زیادہ طلب آرزو میخواد لیک اندازہ خواہ ناز را ر وے بباید ہچو درد اُس نے جو سمجھا ہے سو ہی خوب ہے انے تئیں سب کے برابر تو نہ جان کار پا کاں را قیاس از خود مگیر آں یک شیرے کہ آدم میخورد ہم بھی ایسے ہیں یہ کہنا ہے بڑا یاں خودی میں اور خدا میں بیر ہے</p>
---	--

حکایت مثیلی

<p>اک سر رہ پر مٹی حامل آ بجو آپ کو اس آپے لیوے نکال چلتے چلتے ہو گیا واں آ کے بند</p>	<p>بات میں اک بات سنیو اور تو ایک نے چاہا کہ گھوڑا اسیں ڈال جب لب بوجو پر غرض پہونچا سمت</p>
--	--

۱۔ آرزو کر کہ اندازے کے موافق ایک گھاس کی پتی سے پہاڑ کا بوجھ نہیں اٹھ سکتا ۱۲۔

۲۔ ناز کرنے کیلئے کلاب کا سا چہرہ چاہیے اگر شیر ایسا چہرہ نہیں تو غور و فکر کے پاس بھی نہ جا ۱۲۔

۳۔ بزرگوں کو اپنی طرح کا انسان نہ جان اگر چہ شیر اور شیر ایک ہی طرح لکھتے ہیں ۱۲۔

۴۔ گر شیر (درد مند) آدمی کو کھاتا ہے اور شیر (دودھ) کو آدمی کھاتا پیتا ہے ۱۲ اسی۔

کہتی ہی اُس کے تئیں ہمیںز کی
 جمع واں کتنے ہوئے یہ دیکھ حال
 تب اُنھوں نے یہ کہا اے ہر باں
 ریت یہاں کی لے کے اس پانی میں تم
 الغرض یوں ہی اُنھوں نے جب کیا
 ایک نے پوچھا جب اس کا اجر ا
 آپ کو یہ دیکھتا تھا جب تلک
 جب خودی کی قید سے نکلا سمند
 حضرت یحییٰؑ پیمبر نے حسن ء
 یعنی میں دیکھوں کتابیں دوزار
 پہلے یہ تھا یعنی تو اے دل اگر
 پھر نہ کھا روزی بھی اُس کی تو دام
 دوسرے حق نے کیا قسمت میں جو
 در نہیں ہوتا تو تو اپنا خدا
 تیسرے جو نہی فرمائی ہے بس
 یا نہیں تو ملک سے اُس کے نکل
 بات چوتھی یہ ہے سُن اے نفس اہ
 تو کوئی ایسی جگہ کرے تلاش
 عیب گر کرنا ہے تو کر ایسی جا
 پھر میں اب قصے پر آیا اے حسن

اک قدم اس سے نہ آئی خیزگی
 اتفاقاً گزرے اک صاحب کمال
 آپ کا گھوڑا نہ ہوگا یوں روان
 اس قدر ڈالو کہ ہووے عکس گم
 اب جو اوپر گزرا تب یک
 بھید عارف نے یہ تب اس سے کہا
 پار ہو سکتا نہ تھا یہ تب ملک
 کھل گئے تب بند وہ تھا جن سے بند
 ڈھونڈو کر اک جا پہ لکھے یہ سخن
 چار حرف اُن میں سے رکھے گردگار
 طاعت حق کو نہیں کرتا مگر
 لقمہ طیب کے تئیں سب کراہام
 صدق دل سے اپنے راغنی اُس پہ ہو
 اور کرے اور طلب کر اس سے جا
 اُس سے تو باز آ نہ رکھ اسکی ہو کس
 اس جہاں سے اُسکے باہر بیٹھ چل
 گر کیا چاہے تو دنیا میں گناہ
 جس میں حق پر تیرا پردہ ہونہ قاش
 جس جگہ دیکھے تیرے تئیں خدا
 پیچ میں کہہ کر نصیحت کا سخن

کی جو اُس درویش نے یہ قیل وقال
 اُس کی خود بینی نے اُس کو کھو دیا
 کاشتم چشمِ حریصاں پر نہ شد
 جب کہ ابراہیم واں سے سیر کر
 ایدھر اودھر پھرتے تھے جوں گرد باد
 ایک دن تھا ان کا دریا پر گزر
 بادشہ نکلا تھا اُس کا ہو فقیر
 بیٹھے ابراہیم گدڑی اپنے ہاتھ
 تھا یہ ابراہیم ادھم کا وزیر
 ہو ہو میرا یہی ہے بادشاہ
 پاؤں پر ان کے گرا بے اختیار
 اب تلک حاضر ہے تیرا تاج تخت
 وہ حکومت چھوڑ اور وہ صاحبی
 تب یہ ابراہیم نے اُس کو کہا
 ہے حکومت پر اگر غرہ بٹھے
 کہنے پھر دریا میں سوزن پھینک دی
 کہنے ہی ملاج اُس نے جمع کر
 یعنی لے آویں سوئی دریا سے وہ
 سیکڑوں ملاج سرٹکا کیے

آیا تب اُس کے کمال اوپر زوال
 حرص نے آخر کیا اُس کو ہوا
 تا صدف قانع نہ شد پُرور نہ شد
 کوہ سے میدان میں آئے اتر
 عشق کی حدوں میں ہو کر شاد شاد
 اتفاقاً اک وزیر آیا ادھر
 اس شمس میں وہ پھرتا تھا وزیر
 سیتے تھے سوزن جو تھی وہ ان کے ساتھ
 آتے پہچاناکہ یہ جو ہے فقیر
 دوڑاٹھا روتا ہوا اک بھر کے
 یوں لگا کہنے کہ شاہ نامدار
 اس فقیری سے گزرے نیک نخت
 یہ گدائی کیا بھلی تجھ کو لگی
 سلطنت میں ہو حکومت تیری کیا
 تو سوئی دریا سے منگو اوے مجھے
 اور کہا منگو اوے تو مجھ کو سوئی
 امن کے دینے کو دکھایا مال و زر
 مانگے جو کچھ مجھ سے ہیں دوں اُسکو سو
 تنکے تنکے پر غرض اٹکا کیے

سن لایچوں کو انکھ کا کاسہ بھرتا نہیں سیبِ نیک قانع نہ ہوئی وہ موتیوں سے پُر نہ ہو سکی ۱۲

جوں جواب نکھیں گادریا کے ساتھ
 اس سرشتے سے الگ سبہ گئے
 جب ہوا عاجز و تیرا اور منفعل
 تب تو ایراہیم ادمہ نے کہا
 اب حکومت پر ہماری سیر کر
 بھیلیوں سے پھر کہا اے مچھلیو
 منہ میں اپنے رکھ کے وہ سب لایاں
 تب کہا ان میں تو بے رنگ و بی
 ایک مچھلی نے غرض سوزن دی
 تب کہا دیکھی ہماری سلطنت
 بادشاہت پر تری اے بیخبر
 حاضرین نے جب یہ دیکھا ماجرا
 پھر کہا ششدر ہو کیوں لے دو تو
 حکم میں خالق کے جو کوئی رہا
 چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت
 کر کے حاصل یہ جواب بے نظیر

سب دیکھا پر سوئی آئی نہ ہاتھ
 چاؤ جو جودل میں تھے سب بہہ گئے
 بیوقوفی سے بہت اپنی بچکر
 تو نے دیکھا حکم کا اپنے مزا
 کیونکر آتی ہے سوئی یاں تیر کر
 یہاں سوئی میری گری ہے لاکے دو
 سونے روپے کی لے آئیں سوئیاں
 مجھ کو ہے درکار اک اپنی سوئی
 لاکے ایراہیم کے آگے دھری
 اے وزیر اس بات کو پھر کیوں مت
 جاوے کون اس سلطنت کو چھوڑ کر
 صورت دیوار ہر اک ہو گیا
 اس تماشے کا اچھٹا مت کرو
 حکم میں اُس کے ہوا ارض و سما
 چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت
 پھر گیا تسلیم کو اپنی وزیر

رخصت کرنا ایراہیم ادمہ کا بیٹے کو

ملنے کو الفت سے آیا باپ پاس

ایک دن بیٹا اچھٹوں کا ہوا داس

لے جب تو اسکا ہو گیا تو تمام چیزیں تیری ہو گئیں جب اُس سے پھر گیا تو سب چیزیں تجھ پر گزرتی ہو گئیں

<p>دیکھ کر بیٹے کو اُلفت آگئی یعنی ابراہیم تو سمجھا ہے کیا یا ہماری ہی محبت دل میں رکھ اُلفتیں دو دو سما سکتی نہیں غیر کی اُلفت کا اس میں کام کیا سب کی اُلفت سے غرض منھ لینا موٹ کر کے تو یہ بھر یہ رور و کر کہا تو ہاں اے آنکھ چو تو پاک نیت عشق جس کا نام ہے سویہ ہے بس اس حسن کو آہ اپنا عشق دے</p>	<p>اُن کے بھی دل میں محبت آگئی دونہی اک لہام غیبی یوں ہوا یا تو بیٹے ہی کی اُلفت دل میں رکھ دل ہے تیرا ایک اُسیں اسے حزیں ہو دے جس ل میں مری اُلفت کی جا ٹھنکے یہ حق کی طرہ ہاتھ اپنے جوڑ ووہیں اُس بیٹے کو رخصت کر دیا اُس ہمہ گرفت کو رو باک نیست اُسکو اُلفت کہتے ہیں اے بوالہوس عشق دے اللہ اپنا عشق دے</p>
---	---

درویشی اختیار کرنا فرید الدین عطار قدس سرہ کا

<p>سینو ٹمک کہتا ہوں اُن کا ماجرا باب کی دکان پر مختار تھے اُٹھ گیا تھا یہ تھے اُنکی جائے پر دست بستہ کام میں اپنے درست سیکڑوں شربت کے شیشے تھے بھر اس تجل سے وہ بٹھے تھے وہاں ایک باطن میں وہ سالک غیب سا</p>	<p>نقل سے گر عارفوں کی ہے مزا وہ فرید الدین جو عطار تھے باب اُن کا اس جہاں سے پیشتر کتنے خدمتگار تھے چالاک و چست سیکڑوں تھیلے دوا کے تھے دھڑ مال و دینے تھی بھری ساری دکان ناگہاں ظاہر تو اک مجذوب سا</p>
--	---

سن اگر وہ سب گیا تو بھلا سے جائے تو رہے کہ تیری طرح کوئی پاک نہیں ۱۲ اسی۔

گرچہ صورت میں وہ دیوانہ سا تھا
 سیر کرتے کرتے اودھر آن کر
 ٹھہر کر ایسا وہ کچھ بے اختیار
 اشک حسرت بلکہ آنکھوں پیچ لا
 تب فرید الدین اُس کو دیکھ کر
 چلے آئے چل کھڑے کیوں نہ
 تب کہا اُن سے کہ ایدھر کر نگاہ
 میرے چلتے میں تو کب تاخیر ہے
 میں سبکار اس قدر ہوں لے عزیز
 ایک تو اور اتنے شیشے تیرے پاس
 تو خلیطے لے کے اور یہ پھیلیاں
 لے خیر اپنی تو اسے پابند زور
 شہد و شریعت میں پڑا رہوں گس
 کہہ کے یہ اور زیردکان لیٹ کر
 نعرہ ہو کہ مسافر ہو گیا
 دیکھا جب عطار نے یہ ماجرا
 جنس و اشیا اپنی سب برباد
 یاد کر محض وہ کی وہ قیل و قال
 جیسا بازار میں تھا بزاری ہوا
 دوسری یہ بھی روایت ہے صحیح

ایک سیرت میں وہ فرزانہ سا تھا
 ایک دم ٹھہرا وہ اُس دوکان پر
 دیکھنے لگا دوکان کو بار بار
 آہ درد آلودہ بھر کر تک رہا
 یوں کہا کیا دیکھتا ہے بے خبر
 جس طرف جاتا ہے جلدی جا رہا
 میں چلامیری تو یہ ہے شاہراہ
 میں سر رہ ہوں مجھے کیا دیر ہے
 غیر خرقہ کچھ نہیں مجھ پاس چیز
 کام یاں ہرگز نہیں کرتا قیاس
 کس طرح پہونچے گا جلدی لے یہاں
 کب ترا منزل تلک ہو گا گزرو
 تجھ میں اڑنے کی نہ قوت ہے نہ بس
 لے کے پھر خرقے کا دامن منہ اُپر
 اُس کا مرنا دم میں ظاہر ہو گیا
 اس حقیقت سے اثر دل پر ہوا
 اک فقط جامہ ہی اپنا سا عقے
 چھوڑ کر دکان اور دنیا کا مال
 اس جہاں سے اس کا دل بھاری
 یوں بھی کہتے ہیں حکایت ہے صحیح

ایک ہی مضمون ہوا جو آہ یوں
 کہنے لگا بارے ہاں اسے بیخبر
 دی صدا عطار نے یہ اُس کی مثال
 پھر نہ بولا وہ تو اُس نے پھر کہا
 کچھ بھی اودھر سے نہ پایا جب جواب
 ایک کوڑی نام پر حق کے نہیں
 جھٹ کٹائے سے وہ بولے اس طرح
 جب سنی درویش نے یہ اس سے بات
 بولا ایدھر دیکھ میں یوں جی دیا
 ورنہ تو شہد و شکر میں رہ پڑا
 وہ تو جی دے کر اُدھر کو ڈھل گیا
 کیا دو کیا شیشہ اور کیسی دکان
 اُس کے جی جانے پہ اُن کا دل گیا
 اس طرف سے ہو کے جوں کا فورسرد
 ملک عرفاں کے تئیں عازم ہوا
 رفتہ رفتہ پھر تو وہ کامل ہوا
 عارفوں کی بات سنتا رہ سخن
 شہد و شربت سے نہیں یاں ہر مراد
 الفت فرزند وزن زنجیر ہے
 پر اسے کہتا نہیں میں چھوڑ دے

یعنی دکان پر فقیر آیا وہ جوں
 نام اللہ ایک کوڑی دے اودھر
 پھر کیا کوڑی کا اُس نے تب سوال
 سُن کے تئیں پر بھی وہ سُن ہی پھر
 تب کہا درویش نے یوں کہ خطاب
 دیگا جی کیونکر فرشتے کے تئیں
 آپ اپنی جان دیں گے کس طرح
 دھر کے پیالہ سر تلے اور منہ پہ بات
 تو بھی دے جی اسکے ایدھر تو آ
 مجھ کو اس لذت سے میری جان کیا
 اُن پہ عالم اور ہی کچھ کھل گیا
 اُن کے بھاویں مسٹ گیا سا رہاں
 اُس طرف ٹوٹا اُدھر کو مل گیا
 کر سبک اپنے تئیں وہ نیکسرد
 شیخ رکن الدین کا جا خادم ہوا
 درد میں حق کے سراپا دل ہوا
 سچ کو یہ شاید اثر پہنچنے سخن
 الفت فرزند وزن نہ کھ اسکو یاد
 اس لیے چلنے میں تجھ کو دیر ہے
 شرع کے رشتے کو تو مت توڑے

کیونکہ ہے دتیا کایاں یوں ہی رولج
 مچوں مرض کے واسطے کوئی دوا
 اپنا دل مسک باندھ ان سے میری جان
 کیونکہ جتنی وصل میں لذت اٹھائے
 اتنی رکھ الفت کہ گردقت رحیل
 اس جہاں کو تو سمجھ مشیل سرا
 ایک شب کا ہے گزار اس جگہ
 اس سرا کا چھوڑنا منظور رکھ
 کیونکہ ان فرزند وزن کو کر قیاس
 تجھ میں جب تک دشنی ہے اور نور
 روشنی اور نور خدمت ہے تری
 پہنچو جب سر پر ترے صبح اجل
 جسم کی یہ شمع جب ہو گل تری
 تجھ کو یہ جیوں شمع کشتہ بوجھ کر
 تجھ سے پھر ہرگز نہ رکھیں کام وہ
 بس یہ اپنے کام سے رکھتے ہیں کام
 تو بھی اپنے کام تک رہ آشنا
 دل ملا ایسے سے اے شوریدہ سر
 بات پرد و دن کی مت مغرور رہو
 اور سب دعوں کے ہیں یہ و ستار

رہ اٹھوں میں پر بقدر احتیاج
 کام میں لاتا ہے تو بھی اُن کو لا
 وقت چھٹنے کے نہ گرتے تاگراں
 وہ ہی لذت ہجر میں آفت اٹھائے
 چھوڑ دے اُن کو تو ہووے کچھ نہ ٹھیل
 اس سرا میں تو نہ اپنا دل لگا
 رہ مسافرن کے تو اسے سرور را
 دل لگانا عقل سے یاں دور رکھ
 اہل مجلس کی طرح سے شمع پاس
 تب تک تجھ پاس ہے ان کا ظہور
 اُن کو اس خدمت الفت ہے تری
 حس و حرکت میں پڑے تیری خلل
 روح نکلی گل پہ ہو بلبل تری
 گھر سے لے جا کر رکھے بیرون در
 بلکہ لیویں بھی نہ تیرا نام وہ
 نام کو رکھا ہے تیرا خواجہ نام
 خود غرض جو ہوں نہ اُن سے دل ملا
 جس کی الفت دے سدا تجھ کو شمر
 اُس سے ہونزدیک سب کے دور ہو
 اول و آخر وہی ہے تیرا یا ر

<p>تو گو مارا ابدان شہ بار نیست عشق آں حق را گزین گو باقی است لیک تو خفیہ بہ شکل با ادب دل لگا اپنا خدا سے میری جاں اے حسن تو جان یہ غیر از خدا</p>	<p>باکریاں کار بادشوار نیست کز شراب لایزال ساقی است سوے او مغز آرد اور امی طلب اُس سوا ہے کون تیرا مہربان یہاں نہیں کوئی کسی کا آشنا</p>
---	--

ہنسنا اکبر بادشاہ کا اور جواب ملک محمد جالسی کا۔

<p>تھے ملک نامی محمد جالسی مرد عارف تھے وہ اور صاحب کمال ہو کے شتاق اُن کو لبو یا شتاب صاحب باطن تھے وہ مست اُست تھے بہت بد شکل وہ اور بد نوا چو ہنسنا وہ تو آنکھوں نے دیکھ کر ہنس پڑے ماٹی پہ تم اے شہریار کچھ گناہ میرا نہیں اے بادشاہ افضل میں ماٹی تو ہے سب کی آفت کوئی دن کے رنگ کوئی رات کے</p>	<p>وہ کہ پداوت جھٹوں ہے کہی اُن کا اکبر نے کیا دریافت حال تاکہ ہو صحبت سے اُن کی کامیاب لیک دنیا تو یہ ہے ظاہر پرست دیکھتے ہی اُن کو اکبر ہنس پڑا ہوں کہا اکبر ت ہو کر چشم تر یا کھیرے پر ہنسے بے اختیار سرخ باسن تو ہوا اور میں سیاہ اختیار اُس کا جو ہے سو اُسکے ہاتھ رنگ ہیں دونوں یہ اُسکے ہاتھ کے</p>
---	--

۱۔ تو یہ نہ کہ ہمارا گور اُس بادشاہ تک نہیں ہو کیونکہ کریوں کے لیے کوئی کام دشوار نہیں ہے۔ ۱۲۔
۲۔ اُس حق عے شے کج جو باقی ہے کیونکہ وہ لایزال (جو زائل نہ ہو) شراب کا ساقی ہے۔ ۱۲۔
۳۔ مگر تو خفیہ طور پر بادشہ کی شکل کے ساتھ اُسکی طرف دماغ لڑا اور اُسے ڈھونڈا ۱۲۔ اسی۔

سنتے ہی یہ حوت رو یا داد گر
الغرض اُن کو یہ اعزاز تمام
صاحب تاثیر جو ہیں لے حسن

گر پڑا اُن کے قدم پر آن کر
اُن کے گھر بھجوا دیا پھر و اسلام
دل پہ کرتا ہے اثر اُن کا سخن

سمجھانا درویشِ کامل کا شہزادے کو

ایک شہزادہ سلاطینوں سے تھا
بیٹھتا تھا جا کے درویشوں کے پاس
دل میں تھی کچھ سلطنت کی بھی ہوس
عہد میں تھا اس کے اک صاحبِ کمال
یعنی کھینچو مجھ کو تم اپنی طرف
اس توقع پر وہ جاتا تھا ہمیش
ایک دن گھر کے اُس نے یہ کہا
تم سے میں حب کمالوں سے ملا
مُن کے اُس عادت نے دیکھ لی کمال
یعنی اسے شہزادہ بیدار بخت
اُسکے پات اور پھول باہم لے جاواں
مُن کے اُس درویش سے وہ نکلتا
تب کہا تو اس کو لے جا اپنے گھر
لے کے دونا دہنتی رکھ کر اُسکو رات
تب کہا درویش نے اب کر قیاس

چاہتا تھا فقر سے ہو آشنا
پر وہی رکھتا تھا شالہ نہ لباس
گو کہ کہتا تھا کہ دنیا سے قفس
اُن کی خدمت میں یہ تھا اسکا سوال
پر گھر کر دو مراد دل چوں صدم
پر نہ جاتی تھی کچھ اُس کی بات پیش
اپنا تلک حضرت نہ کچھ حاصل ہوا
پر نہ میرا غنیمت مقصد کھلا
بعد کئی دن کے کیا اس سے سوال
اک جنبیلی کا ہے اس جا پر درخت
توڑ کر دو دونوں کو تو لے آ یہاں
کر اکھٹے توڑ لایا پھول پاست
رات کو رکھ کر لے آ وقت سحر
پھر لے آیا صبح کو وہ نیک ذات
دیکھ تو کیسی ہے ان تپوں میں باس

سو گھ کر اُس نے کہا اے نیکو
 پھر کہا اب جاشجر کے سو گھ پات
 اُن کی اُس نے کی جو کیفیت قیاں
 عرض کی پھر اُن کر کا بے حتی گزریں
 تب کہا درویش نے اے میری جاں
 وہ جو پتے ہیں شجر میں بر ملا
 شاخ و بن ہی میں وہ اپنے ہیں نہال
 اپنی سرسبزی پہ وہ مغرور ہیں
 اور پتے شاخ و بن سے ٹوٹ کر
 آئے پھولوں میں تب ایسے ہوئے
 تیری تو جڑ سلطنت میں ہے لگی
 تو بھی اپنی سلطنت کی جڑ کو توڑ
 ٹوٹ کر مل کا لوں سے اے سپر
 یوں ملا کر تو تو اس ملنے سے کیا
 رُو بہر بر گیر ہر دانہ بز ن
 ورنہ چوں فاروق و صدیق نہیں
 رُو قیامت شد قیامت را بہ میں

اب تو ان پتوں میں ہو پھولوں کی بو
 پھول ہیں آخر ہی اُن کے بھی رہا
 پائی اُن پتوں میں پتوں ہی کی باس
 ان میں ان کی بو ہے پھولوں کی نہیں
 ہے پتے کی بات اُن سب کا بیاں
 جڑ سے اُن کا ہے رگ و نشہ ملا
 اُن کو ہے صحبت کا گل کے کھجور
 تنے ہیں نزدیک اُن کے دور ہیں
 ہو غیب اپنے وطن سے پھوٹ کر
 جیسے گل تھے آخرش ویسے ہوئے
 تجھ کو درویشوں سے ہو کب ہمہری
 اُکھٹ شاخ و شجر سے منھ کو موڑ
 تو تجھے صحبت کا ان کی ہوا اثر
 گر ملا چاہے کسی سے دل بلا
 تو علی وار میں درخبر بکن
 رُو طریق دیگر ال را برگزین
 دین ہر چیز را شرط است این

۱۱۔ جانیہ اٹھا اور مردوں کی طرح اُسے چلا اور علی کی طرح اس خیر کے دروازے کو اُکھٹا ۱۲۔
 ۱۳۔ نہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرح جا اور دوسروں کا طریقہ قبول کر ۱۲۔
 ۱۴۔ قیامت قائم ہے جا قیامت کو دیکھ ہر چیز کے دیکھنے کی شرط یہی ہے ۱۲۔ اسی -

بل فقیروں سے حق ہو کر فقیر

بل امیروں سے حق ہو کر امیر

خط نصیحت امیر بیکمیشی و رش کا در جواب خط اپنے بھائی کے

مرد عارف ایک بیکمیشی تام تھا
یعنی اسے بھائی مجھے تھی آرزو
پہلے تو یہ تھی متناسیح کہوں
تو خدا نے کعبہ مقصد دیا
دوسرے میں چاہتا تھا اک کینز
سو خدا نے خادمہ ویسی ہی دی
تیسرے اک آرزو باقی ہے یہ
جیتے جی اک بار میں دیکھوں تجھے
آرزو میں بس نہیں اس پر تمام
پہونچا یہ نامہ جو کیے کوشتاب
یعنی اسے بھائی اگر تجھ میں ہی ہوش
بہترین شہر پایا تو نے گو
ہے بزرگی شہر کو مردوں سے یا
ہے گیس ہی سے مکانوں کو شرف
شہر ہے کیا چیز تو ہو آپ چیز
دوسرے گرمی ہوتی تو تو
اپنا خادم حادیم حق کو نہ کر

بھائی نے کہے سے اس کو خط لکھا
ان کئی باتوں کی نیت تھی جستجو
بہترین شہر میں جا کر رہوں
اُس پہ واجب سجدہ شکر خدا
باسلیقہ با وقوت و بالتمیز
جس کی خدمت سے عبادت میں نے کی
دل میں اس حسرت کی میرے ہے گره
دیکھنا میرا میسر ہو سب مجھے
مدعا باقی نہیں اب و اسلام
یوں لکھا اک نامہ اس کے در جواب
رکھو ان باتوں پر میری دل سے گوش
چاہیے تو بہترین حلق ہو
فخر ہے مردوں کو شہروں سے بھلا
قرب گوہر ہی سے اچھی ہے صفت
جس جگہ جائے تو پھر واں ہو عزیز
خادم حق کی نہ کرتا آرزو
اس خیال خام سے تو درگزر

خادمی درکار اسے بھائی تجھے
 ہرگز خدمت کرداد محمد و محمد
 حمد وہ شمول پیغمبر کا تھا
 ایک دن مل کر سمجھوں نے یوں کہا
 حکم لوح حق سے کہ ہم ہیں بادشاہ
 راہ میں حق کی کریں چل کر جہاد
 الغرض اُن کے بحسب مدعا
 ایک کاسہ واں سے روغن کا بھرا
 اور کہا ہے یوں ہی اب حکم خدا
 مل کے سب اُس کاسہ روغن کے پاس
 جس کے آنے سے یہ روغن جوش ہو
 دوسری یہ ہے نشانی بر ملا
 امتحاں جب کر چکیں اس کا سب
 یہ خبر سن کر سبھی چھوٹے بڑے
 ہوتے ہوتے ایک سقا شہر کا
 جوش کھا کر تیل او پر آگیا
 یہ وہ سقا اس کا تھا طاہر نام
 دم میں ادنیٰ سے کہے اعلیٰ خدا
 نیک و بد کی کچھ نہیں باہت رہی

نہ کہ مخدومی یہ کیا بھائی تجھے
 ہرگز خود را دید او محروم شد
 اُس زمانے میں وہی تھے پیغمبر
 اپنے پیغمبر سے جا کر کے کہا
 ایک ہو جاوے تو پھر ہم سب پاہ
 اُس سے جو جاہوت ہے از قوم عاد
 مانگی پیغمبر نے جب حق سے دعا
 اور عصا اُنک فرشتوں نے دھرا
 حق نے بھیجا ہے یہ روغن اور عصا
 ایک اک آویں رکھیں اُس پر قیاس
 بادشاہت مل کے تم سب اُسکو دو
 جس کے قدم کے ہو برابر یہ عصا
 حکم میں اُس کے رہیں ہے حکم رب
 پاس اُس پیالے کے سب آنے لگے
 پاس اُس پیالے کے جو نہی آگیا
 اور عصا قدم کے برابر آگیا
 جاتے تھے اس کو سب ادنیٰ تمام
 ہے برابر اُس کے ہاں چھوٹا بڑا
 جس کو نی چاہے سہاگن ہے دی

جس کو

جس نے خدمت کی وہ مخدوم ہوا۔ جس نے اپنے آپ کو دیکھا وہ محروم ہوا ۱۲ اسی۔

<p>خادمی ہے بندہ نابود کی چاہنا بندے کو ہے لائق نہیں مے مرے دیدار کا اسے بخیر عاشقی سے تجھ کو پھر کیا کام ہے یا دہی لاتا نہ تو ہرگز مجھے تا کوئی بھائی نہ آئے تھکوا یاد تجھ سے پھر باقی رہی کہ کیا غرض فائدہ کیا پھر مرے دیدار سے ہے اگر وہ غیر سب اغیار ہیں ہے یہی اک بات سب میں راہ کی بھول جا دنیا کے سب پنج و محن</p>	<p>ہے صفت محذومی اُس معبود کی وہ جو ہے حق کی صفت اُس کے تئیں تیرے گرد بکھنا مد نظر تو تو دعویٰ عاشقی کا خام ہے گر خدات کچھ خیر ہوتی مجھے رہ خدا کی یاد میں اس طرح شاد اے برادر اُس کو گر پایا غرض اور نہ پایا جب نشان اس یار سے وہ اگر ہے یار تو سب یار ہیں آرزو رکھے تو رکھ اللہ کی دھیان رکھ اللہ سے تو لے حسن</p>
---	--

حکایت حضرت جنید بغدادی قدس سرہ

<p>اے اُس کے خواب میں کہ جنید تو نے پہونچا یا کہاں تک اپنا کام یہ تو ہم سے کہہ دیاں تو خیر ہے ہے نہایت صعب اس میدان کی راہ جو گماں کرتے تھے وہاں ہم لے پسر مرزا یا نر از مشتری ہرگز گوش نیست</p>	<p>تھا کوئی بغداد میں صوفی عبید پوچھا اُس نے بول کہ کہ لے نیک نام عالم بالاک کیا کیا سیر ہے تب کہا اُس مرد عارف نے کہ آہ کار عجبی کا ہے اس سے بیشتر محرم اس ہوش جز بہوش نیست</p>
--	--

اسے اس ہوش کا راز دار بہوشی کے سوائے کوئی نہیں ہو سکتا: بان کا خاص خیر عارفان کے سوا کوئی نہیں

فی مثل اکبات یاد آئی ہے اور اکیچو اس بات پر تو میرے غور

حکایت بر سبیل تمثیل

<p>ایک صالح مرد تھا کوئی کہیں سیچنے کو اس نے نقرہ جمع کر تول کر بازار میں جب لے گیا اس سے کم نکلا لیا تھا وزن جو خوب رو یا دروست وہ یا تمیز تب کہا اس نے کہ جو رونے کی پٹیاں آج گھڑی بات باہر سیچ نہیں راست ہوگی آخرت میں کس طرح بس جو کچھ کرتے ہیں ہم یاں سے گناہ ایسے اعلیٰوں کا جب یہ حال ہو فضل اس کا ہو حسن۔ تو تو چھٹیں</p>	<p>کچھ عرض و پیش تھی اُس کے تئیں گھر میں اپنے تولا اک دینار بھر جتنا تولا بھانہ و اں اتنا ہوا دیکھ اُس صورت کو اور حیران ہو پوچھا اس سے کیوں تو رہتا ہے عزیز تو نہ سمجھا اب تک لے نیک بات بات دنیا کی بھلا کل کے تئیں یاں کا تو احوال دیکھا اس طرح کس نے دیکھا ہو کیوں ہو گا وہاں ہم سے ادناؤں کا کیا احوال ہو اور جو اس کا عدل ہو تو بس لئیں</p>
---	---

حکایت طالوت و جالوت و مطابقت آل با اہل دنیا و عقیلی

<p>یوں سننا ہے قصہ طالوت ایک عاد کی تھا قوم سے وہ بیت پرست ملک کو ان کے کیا تھا بے چراغ</p>	<p>بعد موٹی تھا کوئی جالوت ایک پایا اسرائیلیوں پر اُس نے دست تھا دل اسرائیلیوں کا داغ داغ</p>
---	---

جب یہ دیکھا معجزہ سب نے حن
 یہ تو تھا بے بچار اک غریب
 ہم کو اس کی بادشاہت تب قبول
 پھر خدا سے عرض کی بار ا کہ
 یوں ہوا پھر حکم تب بار دیگر
 پاس اُن کے جس سے ان کی فتح تھی
 ہم اُسے پھر واں سے دیوینگے منکا
 کیا ہے تابوت سکینہ اے عزیز
 اُس میں تصویریں تھیں اُن کی سرسبز
 اور تھے کتنے تیرک ماسوا
 جب فرشتوں کو ہوا حکم خدا
 لائے اسرائیلیوں میں دھردیا
 بولے پیغمبر کہ اب ہو یہ دلیل
 سب نے پھر خوش ہو کے آنا کہا
 حکم میں طاوت کے آئے تمام
 یوں حکایت ہے کہ جب ستر ہزار
 امر پیغمبر سے یا از حکم رب
 یعنی اے قوم اس کو جاتو بر ملا
 اس ہو اے گرم میں ہو کا سفر
 قشکی تم سب کو ہو دے گی کمال

تب پیغمبر سے لگے کرنے سخن
 ہم کریں اُس کی اطاعت ہے عجیب
 جب علامت اور بھی ہو یا رسول
 اور حجت چاہتی ہے یہ سپاہ
 تھا جو تابوت سکینہ پیشتر
 لے گئے تھے چھین اُن کے مدعی
 تب تو سمجھیں گے یہ غافل مدعا
 تھا وہ اک صندوق اس کو کہ تیز
 گزرے تھے جتنے پیغمبر پیشتر
 یا دگار انبیاء و اولیاء
 لائے تابوت سکینہ وہ اٹھا
 دیکھ کر سب نے تعجب تب کیا
 اب تو بس مانو گے تم حکم جلیل
 اور لگے کہنے کہ اب مقصد ملا
 ساتھ اُسکے ہو کے نکلے خاص و عام
 مل کے گردیدہ ہو سہ پیاے ہوار
 یوں کہا طاوت نے ان سب کو تب
 آزمائندہ تھا را ہے خدا
 ہنر تک جاری ملے گی پیشتر
 آپ کو اُس آب سے کہنا سن حال

نیک و بد کے امتحان کی ہے وہ جا
 ایک چلو کے سوا جو وہاں سے آب
 پیوے گا پانی زیادہ وال سے جو
 اور میں جتنا کہا ہے اتنا کر
 الغرض ظاہر ہوئی وہ نہر جب
 یعنی جو ثابت قدم تھے و نیندار
 بیشتر جو پی گئے تھے سب کے سب
 وہ جو قانع تھے بجھی ان کی پاس
 وہ جو تھے کم خوار سو تو رم گئے
 کاسے چشم حریصاں پُر نہ شد
 چاہتے تھے وہ کہ پانی بھی پیں
 یہ غلط خطرہ تھا دل کامیری جان
 ہم خدا خواہی وہم دنیاے دوں
 الغرض وہ تین تیرہ ہو جواں
 آخر شکر نکلا بہت تھوڑوں سے کام
 جب پھر اطالوت وہاں سے فتح کر
 جزندامت کچھ نہ آیا ان کے ہاتھ
 اہل عرفاں نے یہاں سے لے حسن

دوست دشمن تاکرے ظاہر خدا
 پیوے گا بے شہمہ وہ ہوگا خراب
 میرے دین سے وہ نہ ہوگا جاں لو
 ہو دے گا تو وہ رہے گا بخیر
 پی گئے اکثر انھوں سے تشنہ لب
 ایک چلو پر کیا آخر قرار
 وہ تڑپتے رہ گئے اور خشک لب
 بلکہ پانی بچ رہا کچھ ان کے پاس
 جو زیادہ خوار تھے سو جم گئے
 تا صدف قانع نہ شد پر دُر نہ شد
 اور راہ حق میں ثابت ہو جیں
 دین کو دینا کو ڈھونڈھیں سو کہاں
 ایں خیال استحال است وجوں
 حکم کے تابع جو پہونچے تھے وہاں
 فتح کی لڑکر انھوں نے والسلام
 نہر پر وہ جو پیٹے تھے تشنہ تر
 آمد و ان کی گئی پانی کے ساتھ
 کیا مثل دی ہے ذرا سنیو سخن

لے لایچوں کی نگاہ کا کاسہ بھرتا نہیں یہی ہے ایک قانع نہ ہوئی وہو تہوں سے پُر نہ ہو کی ۱۲ آئی
 لے تو خدا کی خواہش بھی رکھتا ہے اور کمینہ نیا کا بھی تمہنی ہے۔ یہ خیال ہے اور نامکن ہر اور پڑی ہیں

رہا اس قصے میں ہے اے نیک ذات
 تھا جو وہ طالوت اس کی قوم بھی
 اور وہ جالوت جو گمراہ تھا
 منہ دنیا اور پانی اس کا زر
 تجھ کو خطرہ اس سوا ہرگز نہیں
 وہ جو سالک ہیں سو وہ پیراک ہیں
 کیونکہ وہ پانی کو اپنے منہ تلک
 بلکہ منہ سے دور کرتے ہیں وہ آب
 پیتے ہیں اتنا نہ ہو جس سے ضرر
 تب سبک رو ہو کے وہ چٹک زناں
 یعنی اپنی اہل میں جاتے ہیں مل
 تو نہ لہرا دیکھ اس کی لہر سے
 مت رکھ اس پانی کی تو افروں ہوا
 سالکوں کی پیروی میں رہ مدام
 تو تو نفس بد پہ قادر ہو دے گا
 لے موافق زر کے تو ابیاں سے آب
 گر بمقدار خورش تو لیوے گا
 شام تیری جلد ہو دے گی صبح
 بس تو اپنے روز و شب کی بے خبر
 جتنی دنیا کی رکھے گا دل میں چاہ

سینو اس کی معرفت کی ہے یہ بات
 سالکوں سے اسکو بے تشبیہ دی
 نفس بد سے ہے مثل اسکو دیا
 عارفوں نے اسکی یوں دی ہے خبر
 تجھ کو یہ پانی نہ لے جا دے کہیں
 ہیں اسی میں اس سے پرہیزاکیاں ہیں
 ہو بچنے دیتے نہیں بے ریتے شک
 پیٹ کو رکھتے ہیں خالی جوں جواب
 گر نہیں پڑتے وہ پانی دیکھ کر
 ایک جھپکی میں ہو بچتے ہیں یہاں
 بلوں کے مانند ہو کر صاف دل
 روز و شب خطرے میں ہا اس نہر سے
 اس یا کنی کچھ نہیں آب و ہوا
 حکم میں تو ان کے رہ اے نیک نام
 ورنہ تو مغلوب کافر ہو دے گا
 ورنہ ڈوبے گا تو اور ہو گا خراب
 حق تعالیٰ صبر تجھ کو دیوے گا
 صبر کو کہتے ہیں مفتاح الفلاح
 جس طرح ہو یا دحق میں کر بسر
 اتنا تو غافل رہے گا اور تباہ

<p> حرص تہوں تیوں تیری ہوگی بیشتر بس اسی ترکیب ہے یاں مثل اپنے ہی احوال پر گویا ہوا دوستان حق میں ہوگا سرخرو دورہ مطلق فرد باطل ہوئے گا سچ کہا اس حرص کا دامن کشاد حکم سے جو حق کے کرتے ہیں بیاں بخشدے گا سب گنہ اسکے کریم فتح پا جالوت پر طاہر ہو موج کے مانند دست کھینچ و تاب تیرا ہے جالوت تجھ میں برقرار دورہ ذلت تجھ کو یہ دے گا کمال دین و دنیا میں رہے گا شاد تو اس لیے یہ قصہ لکھا دستِ سلام </p>	<p> جمع جوں جوں تو کرے گا مال و زر جس طرح پانی کے اوپر دی مثل ماجرا طاہر اور جالوت کا حرص کو دشمن اگر رکھے گا تو حق سے مل کے مرد کامل ہوئے گا سالکوں سے ہے سخن یہ مجھ کو یاد سالکوں میں کون وہ پیغمبر ا ان کی جا پر وہ جو ہوگا مستقیم پیروی میں ان کی رہے تابوت ہو نہرونیات سے زیادہ پی نہ آب نفس بد کو قتل کر اے دیندار جہد کر دشمن کو اپنے تو تکال بات گر رکھے حسن کی یاد تو دعا اس سے نصیحت تھی تمام </p>
--	---

انار و ستوں کا خدمت میں ابوالحسن نوری کی

<p> ابوالحسن نوری کے لئے کو چلے دیکھتے کیا ہیں کہ اک دو بلیاں اپنی بولی میں وہ دونوں شور کر جویز بان گر بہ سے تھا آشنا </p>	<p> ایک دو صوفی کسی اہلیم سے جب مسافت کر کے طے پہنچے وہاں بولتی آتی ہیں یا ہم یک دگر ناگہاں اُن صوفیوں میں ایک تھا </p>
--	--

بولی اُن کی وہ سمجھ کر نیک ذات
 انا اللہ تب وہ کہہ کر رہنمویں
 دوسرا بولا کہ بھائی خیر ہے
 تب کہا اُس نے کہ سُن لے مہرباں
 یعنی یہ ملنے کو جس سے نیک ذات
 سن کے اُس نے تباہی سے کہا
 پھر تو وہ بولا کہ ہمت کیجیے
 کہہ کے یہ جھرتے ملک پہنچے جو ہیں
 جیسے تھے ویسے ہی اچھے تندرست
 صوفیوں نے جب یہ دیکھا ماجرا
 یعنی اے حضرت تماشا ہے عجیب
 اُس کا ہم کو کچھ بتاؤ تم نشان
 راہ میں دو بلیاں ہم کو ملیں
 یعنی پائی آج نوری نے وفات
 صوفیوں سے سن کے یہ قال مقال
 روکے فرمانے لگے اے مہرباں
 راست کہتی تھیں وہ گرہ شک نہیں
 آج میں دنیا کی خاطر اک ذرا
 مرگ کا سو میرے آوازہ عیاں
 بات مرنے کی جو پھیلی ستش جہات

کرتا سفت اور دل کے دونوں ہات
 بولا پھر انا ایسے راجعون
 کیا یہ تیرے دل میں آئی خیر ہے
 ایک گم بہ ایک سے کہتی جو ہاں
 جاتے ہیں اُسے تو پائی ہے وفات
 پھر چلیں اب فائدہ اچانے سے کیا
 خاک کی اُن کی زیارت کیجیے
 دیکھا اُس عارت کے تئیں آتے وہیں
 قوت جسمی میں بس چالاک و جست
 ملتے ہی اُن سے کہا سب واقعا
 نقل پہلے ایک سن ہو یہ غریب
 اس میں کیا اسرار تھا اے مرزدان
 کہتی آتی تھیں وہ آپس میں چلیں
 ہم جو آئے تو تھیں پایا حیات
 روئے اپنے حال پر صاحب کمال
 مجھ سے شیعہ میرے مرنے کا بیان
 مجھ کو بھی مرنے پہ لٹنے ہے لٹیں
 یاد حق سے اپنے جو غافل ہوا
 کر دیا ہے اے زمین تا آسمان
 رفتہ رفتہ گرہ شک پہنچی یہ بات

<p>میں اگر جیتا تو سچ ہے ایک دم زندگی سے اُس کی جو غافل ہوا زندگی بے دوست جان فرودن است از خدا غیر از خدا را خواستن میرے مرنے کا اچنبھا کیا ہوا اُس عزیز داس کو تم سمجھو ذرا از مہکافات عمل غافل مشو یاد کو حق کے نہ کرتا دل سے کم جاگتا جیتا وہ مردہ دل ہوا مرگ خاطر غائب از حق بودن است جائے افزونیت کلی کا ستم جور با غافل سو ہے جیتا ہوا ماجرایہ بھاجو میں تم سے کہا گندم از گندم بردید جو ز جو</p>	<p>میں اگر جیتا تو سچ ہے ایک دم زندگی سے اُس کی جو غافل ہوا زندگی بے دوست جان فرودن است از خدا غیر از خدا را خواستن میرے مرنے کا اچنبھا کیا ہوا اُس عزیز داس کو تم سمجھو ذرا از مہکافات عمل غافل مشو یاد کو حق کے نہ کرتا دل سے کم جاگتا جیتا وہ مردہ دل ہوا مرگ خاطر غائب از حق بودن است جائے افزونیت کلی کا ستم جور با غافل سو ہے جیتا ہوا ماجرایہ بھاجو میں تم سے کہا گندم از گندم بردید جو ز جو</p>
--	--

پوچھنا بایزید بسطامی کا طبیب کے دو اگناہ کی اور بتانا اُس کا

<p>ایک دن اک جا پہ گزرے بایزید دیکھا اک کھوئے دکان مرطبیب سیکڑوں خلقت کھڑی پویش و پس ہیں جو گردا گرد اُس کے در و مند یعنی سب درووں کی رکھتا ہوں دا دیکھی اُس جا پر جو یگفت و شنید</p>	<p>کرتے کرتے کوچہ عالم کی دید بیٹھا ہے رستے میں با نشان عجیب غزہ حکمت پر یہ رکھتا ہے کہ بس اُن سے کہتا ہے باواز بلند میری یہ دکان ہے دار الشفا یوں لگے کہنے تباہ سے بایزید</p>
--	---

۱۲ زندگی تجیر دوست کے جان کا رگڑتا ہے۔ خدا سے غافل ہونا دل کی موت ہے ۱۲

۱۳ سوائے خدا کے خدا سے کچھ انگنا۔ پڑھنے کی جگہ بالکل کم ہوتا ہے ۱۳

۱۴ اعمال کی سزا سے غافل نہ ہو۔ گیہوں گیہوں سے اور جو جو سے پیدا ہوتا ہے ۱۴ اسی

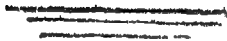
<p>ہے کوئی دار و گنہ کی بھی یہاں وہ جو دعویٰ تھا غلط سو کھو گیا وہ لگا کہنے ادھر آئے میاں ایک نسخہ پاس ہے میرے لکھا پی نہیں سکتا تو اس کو اسے عزیز تلخ دار وہی تو ہوتی ہے مفید اُس کے پینے سے شفا پاؤں شتاب پہلے جا تو بیخ در ویشی کی لا اور ہلیلہ علم کا تیسرا ر کر آئے میں کر تو اضیع کی مزید دیگ میں پھر کر تفکر کی فرد آتش شوق اس میں ہے پھر تیز تیز ساغر امید میں تو اس کو بھر تا شفا دیوے حکیم ذوالجلال اُس کے حق میں یہ وہاں ہے مفید</p>	<p>اے طیب در دہر خرد و کلاں سُن کے وہ یہ بات چپکا ہو گیا ایک دیوانہ کہیں بیٹھا تھا واں میں گنہ کی تیرے رکھتا ہوں واں لیکن اس نسخے میں ہیں سب تلخ چیز بولے تب اس سے یہ سُن کر بایزید لابھجے تو دے کہ پی جاؤں شتاب سُن کے دیوانے نے تب اس دم کہا ساتھ برگ صبر اس میں یار کر اے ہلیلہ حلم کا اے بایزید دستہ توفیق سے گھوٹا اسکو تو پھر اُسے اب محبت سے عزیز جوش میں جب آوے تب کیا گاگر حلق میں پھر تو گنہ کے اسکو ڈال جو کہ ہو بیمار اس کا بایزید</p>
---	--

دے حسن کو بھی الہی یہ دوا
اس مرض سے تاکہ ہو اسکو شفا

تمام شد منوی رموز العارفین

تکلیفیں لطیف

الحمد للہ کہ یہ مثنوی سحر البیان معروف بہ مثنوی میر حسن جس کو میر حسن
دہلوی نے زمانہ نواب آصف الدولہ بہادر میں تصنیف کیا تھا
اس مرتبہ مختلف قدیم و مستند نسخوں سے مقابلہ کر کے اور
کئی اور مثنویات میر حسن یعنی مثنوی گلزار ارم اور
مثنوی رموز العارفین کا اضافہ کر کے معہ مقدمہ
و حواشی معانی الفاظ قدیم مولانا عبد الباقی
صاحب آسی باہتمام بی بی کچور
سیپرٹنٹ باہ جنوری
۱۹۲۵ء نوگلشور پریس لکھنؤ
میں تیر چھپوائی
طبع ہوئی



کلیات

سجدۂ حیل کی لیشین

کلیات میرے مراد حضرت میر تقی میر کا وہ دروانگیز جذبات و اثر سے بھرا ہوا تمام کمال کلام مراد ہے جسے کشور سخن میں میر کو شہنشاہ شاعری تسلیم کر کے انکے سر پر شہرت ٹانوی کا وہ درخشندہ تاج رکھ دیا ہے۔ جسے استاد زمانہ اور ترقی کلام کہی باز نہیں کر سکتیں۔ یہ کلیات اگرچہ متعدد جگہ مختلف طریقوں سے طبع ہو لیکن اس ترتیب اور تصحیح کے ساتھ کہی نہیں چھپا۔ قلمی اور قدیم مطبوعہ نسخوں سے ملا کر اسکو تصحیح کیا گیا ہے۔ اور ترتیب کو بدل کر ان کے ہر صنف کلام کو علیحدہ علیحدہ کر کے بجائی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اسکے اول میں ایک بصیرت افروز مقدمہ بھی شامل ہے جس میں مصنف کے سوانح حیات پر نہایت گہری روشنی ڈالی گئی ہے اور اسی کے ساتھ کلام پر ایک تنقید ہے جو قابل دید ہے اور جس میں میر کے مذاق شاعرانہ کو تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے۔ آخر میں محاورات قدیم کی ایک فہرست لکھی گئی ہے۔ اسکے علاوہ جا بجا نوٹس ہیں خود میر صاحب کے ہم مضمون شعر بھی دئے ہیں اور کہیں کہیں دوسرے اساتذہ مستند کے بھی وہ شعر پیش کئے ہیں جو میر کے شعر و شے ملتے جلتے ہیں۔ اول میں غزلیات کی فہرست بھی شامل ہے۔ کاغذ اعلیٰ کتابت با صراف اور قیمت باوجود ان خوبیوں کے مجلد کی صرف پانچ روپیہ آٹھ آنہ۔

پد کاوت ملک محمد جاوہر

یہ کتاب اگرچہ مختلف مطبوعہ میں گاہے گاہے چھپی مگر اصل غلط تر ترجمہ غلط استعارے مطبع نے نہایت کوشش سے مختلف نسخوں سے مقابلہ کر کے اصل اور ترجمہ کی غلطیوں کو درست کر کے چھپوایا ہے ہمارا دھوی ہے کہ اس سے بہترین نسخہ اب تک نہیں چھپا۔ قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ

گلزارِ سیم کا نیا ایڈیشن

ثنوی گلزارِ سیم مختلف پریسون میں متعدد بار طبع ہوئی اور خود نو لکچور
پریس سے بھی کئی مرتبہ شائع ہوئی۔ لیکن اسپر کوئی خاص توجہ نہیں ہوئی
مگر اس مرتبہ مطبع ہذا میں نہایت صحت کے ساتھ $\frac{1}{2}$ پیما نہ پر چھاپی گئی ہے
اور اس کے مشکل الفاظ و محاورات کے معنی بتاتے ہوئے اکثر جگہ اُس کے
صنائع بدایع پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اول میں سیم سوانح زندگی پر
ایک مختصر سی بحث کر کے ایک جامع مقدمہ لکھا گیا ہے جسکی وجہ سے
طلبا کے لئے بھی یہ نہایت ہی کارآمد ثابت ہوگی اور شائقین بھی اسے
ایک بہتر ایڈیشن محسوس فرمائیں گے۔ صحت کاغذ کی عمدگی و چھپائی وغیرہ
کا بھی خصوصی خیال رکھا گیا اور قیمت ۸

المنشہ

نیچرل کرسٹو پرنسین صنعتی ٹوکھ سکتو

CALL No. { 1914241 } ACC. NO. 9944
2542
 AUTHOR _____
 TITLE مجلد
مجلد

1914241
2542 9944 مجلد
مجلد
 Date No. Date No. 11/60
16
 LENT AT THE TIME



MAULANA AZAD LIBRARY ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of **Re. 1-00** per volume per day shall be charged for text-books and **10 Paise** per volume per day for general books kept over - due.

